حصہ سوئم

حقوق العباد

اچھا انسان

ایک طرف تو ہم اس حقیقت سے اچھی طرح آ گاہ ہیں کہ کوئی انسان چاہے ماں ہو یا باپ' ڈاکٹر ہو یا انجینئر یا پھر کچھ بھی سب سے پہلے تو وہ ایک فرد ہی ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جس طرح کی شخصیت اُس فرد کی ہوگی اسی طرز کا اس کا قول و عمل بھی ہوگا۔ مزید یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں کئی رول نبھانے پڑتے ہیں۔ جو بچہ آج طالب علم ہے وہ کل باپ بھی بنے گا' کسی دفتر میں ملازم لگے گا یا پھر باس کی کرسی بھی اس کی قسمت میں ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ جو بھی کرے گا اس کی شخصیت کی خوبیاں اور کمزوریاں ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں گی۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص بحیثیت انسان تو اچھا نہ ہو لیکن بڑا اچھا باپ' بھائی' بزنس مین یا پھر کچھ بھی بن پائے۔ البتہ اگر کوئی شخص ظاہری طور پر کسی بھی اونچے مقام تک نہ پہنچ سکے لیکن اچھا انسان ضرور ہو تو وہ یقیناً اچھا بھائی' باپ' بیٹا اور خاوند بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سب سے پہلے تو ہمیں اچھا انسان بننا چاہیئے اس کے بعد زندگی میں ہمیں جتنے بھی رول نبھانے پڑیں گے اس کے لیے ہم بدلتے رہیں لیکن ہماری بنیادی حیثیت یعنی اچھا انسان ہونا اپنے مقام پر قائم رہے گا۔

اس معاملے میں سب سے پہلے بچپن کی تعلیم و تربیت سامنے آتی ہے۔ یعنی شروع سے بچے کو جس قسم کا ماحول دیا جائے گا وہی خصوصیات اور کمزوریاں لے کر وہ بڑا ہوگا۔ جدید ریسرچ تو یہاں تک بتاتی ہے کہ پانچ سال کی عمر تک بچے کی نفسیات مکمل طور پر نشو و نما پا چکی ہوتی ہے۔ غور کریں اُس وقت تک تو بچہ سکول جانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا نہ ہی گلی محلے کے بچوں سے کچھ سیکھ کر گھر آتا ہے۔ پھر بھی یہ بچہ آگے چل کر جو کچھ بھی بنتا ہے اس میں ان پانچ سالوں کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ جدید سائنس یہ ثابت کر چکی ہے کہ انسانی نفسیات کس قدر گہرا اثر دکھاتی ہیں۔ ان سب حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ انسانیت کے مختلف روپ یعنی ماں باپ' اولاد' استاد' پڑوس' شریکِ حیات اور دوسرے رشتہ داروں کے کیا تقاضے ہیں۔ ہم کیا لائحہ عمل اپنائیں کہ ہم مختلف ادوار میں کامیابی کے ساتھ ان سب پہلوؤں کو نبھا سکیں' یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہم یہ چن سکیں کہ ایک وقت میں بس ایک ہی کام کرنا ہے یعنی جس وقت ہم وہ خاص رول اپنائیں تو اپنے آپ کو باقی سب رشتوں اور تعلقات سے دستبردار کر لیں۔ ایک اچھے انسان کی خوبی یہی ہے کہ وہ یک وقت بہت سے رول نبھا سکتا ہے اور ہر لحاظ سے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اچھی تعلیم و تربیت اُس کو یقیناً اس قابل بنا سکتی ہے کہ وہ تمام عمر وقت اور موقع کی مناسبت سے اپنا

کردار بتاتا اور نبھاتا ہے۔

خواتین میں یہ خداداد صلاحیت بہت زیادہ اور واضح نظر آتی ہے کہ وہ بہت جلد حالات اور موقع کے مطابق ڈھل جاتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی ذات اس کائنات میں بہت سے رول لیے ہوئے ہے اور اس کے ہر روپ کے تقاضے مختلف ہیں۔جبکہ مرد حضرات کم وبیش ایک ہی شخصیت میں تھوڑے بہت ردوبدل کے ساتھ بھی بہت کام نکال لیتے ہیں۔بہرحال دونوں کے معاملے میں یہ بہت ضروری ہے کہ ہر کام کرنے کی تربیت کی جائے اور پھر کامیابی کا راز بھی اسی حقیقت میں ہے کہ اپنے مخصوص کردار کو خوبصورتی اور کامیابی سے نبھایا جائے۔

یہ زندگی بہت مختصر ہے اور کام بہت زیادہ۔یہاں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو وقت ضائع کئے بغیر بہت سے کام ایک ساتھ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔جبکہ ہمارے ہاں دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص ایک کام بھی صحیح طریقے سے نہیں کر پاتا۔آخر کار کیا وجہ ہے کہ سب کے پاس ایک ہی جیسا زندگی کا وقت' (کم وبیش) دن کے وہی چوبیس گھنٹے اور وہی تین سو پینسٹھ دنوں کا سال ہے پھر بھی مختلف لوگوں کی کارکردگی میں زمین وآسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔اس صورتِ حال کی ایک عام مثال یوں ہے کہ جب تک لوگ دنیاوی کاموں میں لگے رہتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اللہ کی طرف ابھی دھیان نہیں دیا جاسکتا۔جب نوکری سے retire ہوجاتے ہیں تو پھر نمازیں پڑھنی شروع کردیتے ہیں' پھر اپنے اردگرد لوگوں کو بھول جاتے ہیں یعنی اب اُن کا دنیا سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔اگر پوچھا جائے کچھ کرتے کیوں نہیں تو جواب یہ ہوگا کہ بھائی ہم تو retire ہوگئے ہیں اب آرام کا وقت ہے۔سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ آرام اگر اسی دنیا میں کرلیا تو کیا پھر کام آخرت میں جا کر کریں گے؟ یا پھر وہاں صرف پچھتاوا ہی پچھتاوا ہوگا کہ کاش کچھ کام کر آتے۔بڑے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس طرح کا رویہ کسی ایک طبقے یا ایک خاص عمر کے لوگوں میں نہیں ہے بلکہ ہر ایک میں پایا جاتا ہے۔یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو نہ صرف ہماری جڑوں میں بیٹھ گیا ہے بلکہ بہت ہی خاموشی سے ہماری عادات' حالات اور ہماری معاشی تباہیوں کا باعث بن رہا ہے۔اس طرزِ عمل کی مثال روزمرہ کی عام زندگی سے لے لیں۔ہمارے ہاں جب بچے تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں تو ان کو کام نہ کرنے کی عادت ڈالی جاتی ہے۔بہت امیر لوگوں کا طریقہ کار کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بچہ سکول جارہا ہو تو ملازم اپنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہتے ہیں جیسے سکول نہیں بلکہ بچہ کسی محاذ پر جارہا ہو۔ بیگ نوکر اٹھائے گا یا پھر اگر نوکر نہ ہو تو ماں کو بچے کا بستہ اٹھانا پڑتا ہے۔گھر واپس آکر ٹیوشن کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔پانی کا ایک گلاس تک یہ بچے خود نہیں پی سکتے۔جب تک یہ بچے پڑھ رہے ہوتے ہیں یہ کچھ اور نہیں کرسکتے اور جب پڑھائی سے فارغ ہوجاتے ہیں تو ان کی عادات اتنی خراب ہوچکی ہوتی ہیں کہ کسی کام کے نہیں رہتے۔

دوسری طرف یہ دیکھ لیں کہ ہمارے ہاں ماں ہونے کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ بس ماں کا کام ہے کہ وہ اپنا آپ بھول کر اولاد کو پالے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آپ کو بھول جاتی ہے بلکہ اپنا رول ہی بھول جاتی ہے۔ اسی طرح کا رویہ ہر معاملے میں دیکھنے میں آیا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ہر انسان بیک وقت اپنے تمام کام صحیح طریقے سے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ہر انسان کو باقاعدہ یہ سکھایا جائے کہ اس نے اپنے ہر عمل کا ذمہ اٹھانا ہے اور سارے حقوق پورے کرنے ہیں جن میں اپنی ذات کے حقوق؛ حقوق العباد اور حقوق اللہ سب شامل ہیں۔ اہمیت کے لحاظ سے معاملے میں اپنی ذات کے حقوق سب سے پہلے آتے ہیں۔ جو انسان اپنے آپ کو ہی نہ جان سکے اس لیے یہ اُمید ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی دوسرے کو سمجھ پائے گا۔ لہٰذا بہترین انسان بننے کا سفر شروع ہی انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا ایک اللہ نے بنائی ہے اس کو چلانے کے اصول بھی (Universal) آفاقی نوعیت کے ہیں۔ مزید ہر انسان مٹی کا بنا ہوا ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونک کر جان ڈالی ہے۔

'' پھر اُسے درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ '' (32: 9)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بنیادی طور پر سب اچھائیوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ مزید یہ کہ اس کو ہر برائی اور اچھائی کا علم دیا گیا ہے اور پھر اس کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لیے کون سا راستہ چنتا ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت سے نوازا ہے یہ ان کا فرض ہے کہ بھرپور انداز سے زندگی کی ان کمزوریوں کا نہ صرف مقابلہ کریں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی صحیح عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیں۔

☆ _____ ☆

اپنی ذات کا حق

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو تخلیق کیا تو اسے کچھ ایسی صلاحیتوں سے اور خوبیوں سے نوازا جن کی بنا پر اسے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا۔ یہ درجہ اسے علم و عقل، فہم و فراست اور صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی بنا پر عطا کیا گیا' اسے دل کی لازوال قوتوں کی دولت سے نوازا گیا' اسے صحیح اور غلط میں پہچان بتا دی گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح اور غلط راستوں کے تعین کے بعد پھر یہ انسان کی اپنی دسترس میں رکھ دیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق دونوں میں کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔

قرآن پاک کے الفاظ ہیں کہ:

'' البتہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا۔ '' (95: 4)

اس آیت کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی تمام مخلوقات سے افضل اور اعلیٰ بنایا اور اس دنیا میں بھیجنے کے بعد وہ تمام قوانین مرتب کئے جن پر چل کر انسان اپنی زندگی کو اچھے طریقے سے گزار سکے۔ اس کو ہر طرح کی ذہنی اور جسمانی قوتوں سے نوازا اور اسے قلب یعنی ضمیر جیسی مضبوط قوت کا مالک بنایا جو اسے صحیح اور غلط راستے میں تمیز سکھائے۔

دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز انسان کے تصرف میں رکھ دی ہے۔ انسان کی خدمت کے لیے چرند' پرند' دریا' پہاڑ' ندی نالے اور کیا کچھ نہیں بنایا جو کہ انسان کی بھلائی کے لیے نہ ہوں۔ لیکن انسان اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے ابھی تک یہ نہیں سمجھ پایا کہ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ اسے ہم نے کیسے گزارنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو صلاحیتیں عطا کی ہیں ہم نے انہیں کیسے استعمال میں لانا ہے؟ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

'' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے لیے مسخر کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور تمہیں اپنی ظاہر اور پوشیدہ نعمتیں بھرپور دی ہیں اور لوگوں میں بعض (ایسے ہیں) جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ بغیر علم' ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے۔ '' (31: 20)

کیا ہم نے اپنی شخصیت کردار' اپنی اقدار اور اپنے مقصدِ حیات کے متعلق سنجیدگی سے کبھی سوچا' یقیناً نہیں! یا بہت کم۔ آج لوگوں نے اپنے آپ کو ظاہری نمود نمائش والی زندگی میں اس قدر الجھا رکھا ہے کہ وہ کبھی اپنا وقت ایسے ضائع نہیں کر سکتے یا شاید وہ اپنے بارے میں سوچنے کے لیے وقت نکالنے سے زیادہ کسی محفل یا پارٹی میں جانے کو ترجیح

دیں جہاں وہ گپ شپ، میوزک اور کھانے کو ترجیح دیتے ہوں یا اپنے کسی دوست احباب سے باتیں کرنے میں وقت گزارنا زیادہ اچھا سمجھتے ہوں۔ مگر سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کے دوست احباب آپ کے رشتہ دار، آپ کے والدین اور آپ کے بہن بھائی جو شاید آپ کے زیادہ قریب تر ہوں وہ بھی آپ کے بارے میں اتنا نہیں جانتے ہوں گے جتنا کہ آپ خود اپنے بارے میں جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کا قریبی دوست (Close Friend) بھی آپ کی چند پسندیدہ باتوں کے بارے میں بہت کم جانتا ہوگا۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ یہ کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ آپ کی اقدار کیا ہیں؟ آپ کے خواب کیا ہیں؟ آپ اپنی زندگی کے متعلق کس حد تک سنجیدہ ہیں اور اسے کس زاویے سے دیکھتے ہیں؟ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ سب باتیں صرف آپ ہی جانتے ہیں اور آپ سے زیادہ آپ کو کوئی اور جان نہیں سکتا۔ ہم میں سے ہر کوئی اپنے اندر کی سچائی کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر کوئی روپے پیسے، کوٹھی اور ظاہری نمود نمائش میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے بے چین ہے۔ زندگی کے اصل مقصد سے بالکل بے خبر، ہم نے اپنے آپ کو مکمل طور پر حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ لوگ ہمیں جس طرف لے جاتے ہیں ہم بغیر سوچے سمجھے اسی کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی زندگی کی اصل روح، اصل خوشی اور مقصد کیا ہے۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کی صرف بیرونی سطح تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور ہماری مثال ایسے ہے جیسے کہ سوکھے ہوئے پتے ہیں، کہ ہوا ان کو جہاں بھی چاہے اڑا کر لے جائے۔ دراصل حقیقت ہے کیا، آیئے جائزہ لیں؟

انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کیا ہے اصل میں وہ اپنے اندر موجود صلاحیتوں اور خوبیوں سے بالکل ناواقف ہے۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم اپنی شخصیت میں قوت اور حوصلے کا کتنا گہرا سمندر رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے اردگرد دنیاوی آسائشوں کا اتنا ڈھیر لگا دینا چاہتے ہیں کہ اسی کی فکر میں ہم زندگیوں کے اصل مقصد سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ انہی ضروری اور غیر ضروری چیزوں کو حاصل کرنے اور اپنی لامحدود خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش میں ہم حقیقی خوشی اور سکون سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم اپنی خوشی اور سکون کا اتنا خیال نہیں رکھتے جتنا دوسروں کے آگے اچھا لگنے اور بڑا نظر آنے کا خیال رکھتے ہیں۔ دوسروں جیسا بننے کے چکر میں ہم اپنی شناخت کو کھو دیتے ہیں۔ ساتھ ساتھ پریشانیوں اور مایوسیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور خواہشات پوری نہ ہونے پر دوسروں کو برا بھلا ٹھہراتے ہیں۔

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آپ کا ایسا غیر سنجیدہ رویہ آپ کی زندگی کو کس حد تک تباہ کر رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے

انسان کو اس زمین پر بے مقصد تو نہیں بھیجا' ہر انسان کے ساتھ اس کی زندگی کا ایک خاص مقصد منسلک ہے جو کہ دوسرے سے مختلف ہے۔ ہر انسان کی زندگی کا ایک خاص مقصد اُس شخص کی ذات میں چھپا ہوا ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی مقصد کو پانے اور حاصل کرنے کے لیے پوشیدہ قوت اور لگن عطا کی ہے تا کہ وہ ظاہر اور پوشیدہ یعنی اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کر کے اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرے۔ اس مقصد کے حاصل ہونے کے بعد وہ اپنے اندر ایک سکون' اطمینان اور خوشی محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کی تمام کوششیں' توانائیاں اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے صرف ہو رہی ہوتی ہیں جو کہ اس نے خود اپنے لیے منتخب کیا ہے' جو اسے بے حد عزیز ہے' اس کی اپنی اقدار پر مبنی ہے اور اس کی پسند اور ناپسند پر مبنی ہے۔ ہر انسان کا مقصد دوسرے انسان کے مقصد سے مختلف ہوتا ہے اور ہمارے ہاں تو المیہ ہی یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے اصل مقصد سے ہی بیخبر ہیں۔ پہلے آپ کو اپنے بارے میں جاننا ہوگا اور پھر اس کے بعد ہی آپ اپنی زندگی میں اپنے اُس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کی گئی کوششوں کو صحیح رخ دے سکیں گے۔

اپنے آپ کو جاننا یا خود شناسی کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کی اقدار کو (Identify) کریں۔ یہ جان لینے کے بعد کہ آپ اپنی زندگی میں کن اقدار (Values) کو ترجیح دیتے ہیں اور کسی صورت پر بھی ان اقدار پر سمجھوتہ نہ کریں' چاہے کچھ ہو جائے آپ اپنی ان قدروں کا احترام اور تحفظ کریں۔ یہ جان لینے کے بعد کہ آپ کی اقدار کیا ہیں' آپ اپنی زندگی کے مقصد کو با آسانی پا سکتے ہیں۔ یہ مقصد کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ غریبوں کی مدد کرنا' علم حاصل کرنا' فلاحی کاموں میں حصہ لینا' کام کرنا' لوگوں میں شعور پیدا کرنے کی کوشش کرنا' اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط کرنا اور بہت کچھ۔ جب آپ اپنی زندگی کے مقصد کو پالیں گے تو تب ہی آپ زندگی میں اپنی صلاحیتوں' کوششوں اور توانائیوں کو ایک صحیح رخ دے پائیں گے۔ اپنی زندگی کے مقصد کو جانے بغیر کوشش کرنا اور اپنی تمام تر توانائیاں استعمال میں لانا بالکل ایسے ہے جیسا کہ آپ ان قوتوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوشیدہ قوتوں سے نوازا ہے اور قوتوں کو منفی طریقے سے استعمال میں لانا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال ہے اور اس کی مثال بالکل ایسے ہے کہ آپ سفر کے لیے گھر سے نکلے ہیں اور آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کو کہاں جانا ہے۔ اگر آپ لاہور سے سفر کر رہے ہیں اور آپ کو کراچی پہنچنا ہے تو پھر آپ راستے اور وقت کا تعین کریں گے یعنی کہ آپ کو کراچی کس راستے سے جانا ہے اور اس کے لیے کتنا وقت درکار ہے۔ لیکن اگر آپ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ آپ نے جانا کہاں ہے یا آپ کی منزل کونسی ہے تو وقت اور راستے کے تعین کا کیا کام! بالکل ہم ایسی ہی صورتِ حال میں مبتلا ہیں۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ہمیں اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے۔ ہم افراتفری میں ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے

ہیں۔کسی نے جو کچھ کہہ دیا ہم بغیر سوچے سمجھے اس کی تقلید میں وہ کام کرنا شروع ہو گئے۔ایسی صورتِ حال میں بھلا ہم کیسے اپنی زندگی میں حقیقی سکون اور خوشی لا سکتے ہیں۔

یقیناً سب سے پہلے ہمیں اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔اپنی زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔جب آپ اپنے بارے میں جان لیتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو پہچان لیتے ہیں تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ مضبوط شخصیت کے مالک ہیں۔آپ اپنے اندر ایک جذبہ اور ایک نئی امنگ محسوس کرتے ہیں۔آپ اس حقیقت کا باخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کے اردگرد رہنے والے لوگ جن میں آپ کے دوست احباب' رشتہ دار اور بہت سے قریبی لوگ ایسے ہیں جو کہ اپنی زندگی میں حاصل کی گئی (Achievements) سے کچھ زیادہ مطمئن نظر نہیں آتے۔ اگر ان سے اس ناخوشی کی وجہ پوچھی جائے تو وہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو حق بجانب قرار دینے کے لیے دوسرے لوگوں کو الزام دینا شروع کر دیں گے۔ایسے لوگوں کو آپ نے اکثر یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ اگر میرے ابو امیر آدمی ہوتے تو میرا مستقبل روشن ہو سکتا تھا' اگر حکومت کے کسی اعلیٰ عہدے دار سے ہماری رشتہ داری ہوتی تو مجھے بھی بہت اچھی نوکری مل جاتی کیونکہ آج کل تو صرف سفارش کا ہی زمانہ ہے۔غرض یہ کہ اپنی نااہلی اور غیر ذمہ داری کو (Justify) کرنے کے لیے ان کے پاس ہزار بہانے موجود ہوتے ہیں جو کہ وہ ہر وقت سنانے کو تیار ہوتے ہیں۔

مزید یہ کہ اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ آپ اپنی زندگی میں کیا کرنا چاہتے تھے تو جواب کچھ یوں ملتا ہے کہ پتہ نہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے' شاید ''MBA'' کمپیوٹر سائنسز یا وہ چیز جس کا آج کل (Trend) رجحان ہے۔یہ جواب سننے کے بعد کہ یہ شخص جو کہ اب تک یہ بھی نہیں جان سکا کہ اس نے اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے یا پھر اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے' وہ کس طرح معاشرے یا دوسرے لوگوں کو اپنی ناکامیوں کا جواز سمجھنے کا حقدار ہو سکتا ہے؟ جی نہیں! یقیناً بالکل نہیں۔آپ کو اپنے بارے میں جاننے کے لیے سب سے پہلے آپ کو اپنی بنیادی اقدار کو جاننا ہوگا۔اقدار سے مراد ایسی چیز جس کو آپ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دیتے۔زندگی کے اہم فیصلوں میں (آپ کی بنیادی اقدار) بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔یہ (Values) ہی آپ کے کردار پر اثر انداز ہوتی ہیں اور آپ کی شخصیت کو مضبوط بناتی ہیں۔

اپنی شخصیت کے متعلق ان بنیادی قدروں کو جاننے کے لیے سب سے پہلے اور نہایت ہی اہم کام جو آپ کو کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ روزانہ اپنے پورے دن میں کچھ وقت علیحدگی میں گزاریئے۔اور اپنے آپ کو اپنے بارے میں سوچنے کا مکمل موقع فراہم کیجئے کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو اپنے اردگرد کے مسائل اور پریشانیوں سے آزاد کر کے کچھ دیر کے لیے (Relax) کر لیجئے اور مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ سے کچھ سوالات کیجئے اور ان کے جوابات ساتھ ساتھ

تلاش کیجئے جیسا کہ

☆ میں کون ہوں؟

☆ میری اصل حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟

☆ میں کیوں پیدا کیا گیا ہوں؟

☆ میں کہاں جانا چاہتا ہوں؟

☆ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟

☆ میری آخری منزل کیا ہے؟

☆ میری (Powers) کیا ہیں جن پر مجھے مکمل اعتماد ہے؟

☆ میرے اندر موجود خامیاں کون کونسی ہیں اور انہیں میں کیسے دور کر سکتا ہوں؟

☆ ایسی کون سی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟

☆ ایسی کون سی خامیاں ہیں جن کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟

☆ ایسی کون سی باتیں ہیں جن کے بارے میں ابھی مجھے بہت کچھ سیکھنا ہے؟

☆ میں کس طرح کے ماحول میں زیادہ آرام محسوس کرتا ہوں؟

☆ مجھ میں (Energy) کہاں سے آتی ہے؟

☆ میرا پورا جسم اور اس کی توانائیاں کون کنٹرول کر رہا ہے؟

☆ یقیناً مجھ میں ایسا کچھ ضرور ہے۔ آخر وہ کیا ہے جس پر میں فخر کرتا ہوں؟

☆ ایسی کون سی اقدار ہیں جن پر میں کبھی سمجھوتہ نہیں کر سکتا؟

☆ کیا وجہ ہے کہ بعض اوقات مجھے اپنے اندر کسی ہستی کے انتہائی قریب ہونے کا احساس ہوتا ہے اور میرے جسم میں عجیب سی (Sensations) پیدا ہوتی ہیں۔

اور اسی طرح کے کئی اور سوالات جن کی وجہ سے آپ کو اپنی شخصیت کے بارے میں پتہ چلے' اس کے ساتھ ساتھ اور پھر انہی سوالوں کے جوابات ڈھونڈ لیں۔ یعنی آپ اپنے آپ کو مکمل موقع فراہم کیجئے' اپنے بارے میں جاننے کا اور بہت تسلسل سے اپنے آپ سے سوالات پوچھیئے ایسا کرنے سے آپ کو اپنی شخصیت کے متعلق بہت کچھ جاننے کا موقع ملے گا اور یہ جان کر بہت حیرت ہوگی کہ آپ کی زندگی کے بعض اہم فیصلے جو کہ آپ نے اپنی قائم کردہ اقدار کی بنا پر کئے ہیں ان پر آپ بہت مطمئن ہوں گے۔ ایک تازہ ترین ریسرچ کے مطابق جو کہ ہم نے پچھلے سال کی تھی ہمیں پتہ

چلا کہ 93% لوگ اپنی زندگی کے اہم فیصلے یا اپنے (Career) یا شادی کے متعلق کئے گئے فیصلوں پر بہت دکھی، پریشان اور غیر مطمئن نظر آئے۔ان سب لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے اپنی زندگی کے یہ اہم فیصلے سماجی رسم و رواج اور سماجی دباؤ کے تحت آ کر کئے یا پھر معاشرہ ان سے جس طرح توقع کرتا تھا انہوں نے اسی کی پاسداری کرتے ہوئے وہ فیصلے کئے اور بعد میں انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔کیونکہ وہ فیصلے ان کی خودشناسی کے عمل میں سے گزرے بغیر ہوئے جس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں کئے گئے فیصلوں پر افسوس کرتے ہیں۔

ہم ایک ایسے شخص کو جانتے ہیں جس نے شہر کے ایک بہت ہی مشہور اور اعلیٰ تعلیمی ادارے سے (MBA) کیا ہے۔اس کے بعد اس نے مختلف (Multinational) کمپنیوں میں کام کیا بعد میں اس کو اپنی اصل حقیقت کا احساس ہوا اور اس نے اپنے آپ کو سمجھ لیا تو اس نے بہت سارے ایسے کام ترک کر دیئے جو پہلے وہ کیا کرتا تھا۔اس طرح اس کی شخصیت میں بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی اور اسی تبدیلی کی وجہ سے اس کو کمپنی سے نکال دیا گیا۔بعد میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ (Business World) کے لیے موزوں نہیں۔اگر وہ بہت پہلے ہی اپنی حقیقت اور اپنی اصلیت کو جان لیتا تو وہ (MBA) کرنے میں اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال ضائع نہ کرتا۔

قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

'' کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا؟ '' (23: 115)

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر انسان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اس کی زندگی کا مکمل اختیار عطا کیا ہے اور آپ کو بھی یہ اختیار اتنا ہی حاصل ہے جتنا کہ دوسروں کو۔اس لیے اپنی زندگی کو اس خاص مقصد کے تحت گزاریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کے لیے منتخب کیا ہے۔حضرت علیؓ نے فرمایا:

'' جس نے اپنے آپ کو جان لیا اس نے اللہ کو جان لیا۔ ''

کیونکہ جب آپ اپنے آپ کو پہنچانتے ہیں تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو پہنچانتے ہیں اور اللہ کو پہنچاننا تو سب سے بڑی حقیقت کو پانا ہے اور کوئی آدمی جب اللہ کو پاتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک ایسی دریافت ہوتی ہے کہ جو کہ اس کی پوری زندگی کو تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے۔وہ ایک ناقابلِ بیان ربانی نور میں نہا اٹھتا ہے۔ وہ مکمل طور پر ایک نیا انسان بن جاتا ہے اس کی سوچ، اس کا عمل اور اس کی تمام کاروائیاں ایک ایسے انسان کی کاروائیاں بن جاتیں ہیں جو اللہ کے ظہور سے پہلے ہی اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

اس طویل بحث کے بعد کیا آپ سمجھتے ہیں ہم انسان ہونے کا حق ادا کر رہے ہیں اور جس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں پر بھیجا ہم وہ پورا کر پا رہے ہیں کہ نہیں؟ کیا ہم اپنی زندگی کے غلط فیصلوں پر افسوس کر کے حالات کا رونا روتے رہیں گے یا ان سے کچھ سیکھیں گے بھی؟

اپنے آپ سے پوچھئے!

کیا آپ بھی خودشناسی کے اس عمل سے گزر چکے ہیں؟

☆ _____ ☆

ماں کے حقوق

جب اچھے انسان بننے کا ذکر آتا ہے تو سب سے اہم ہستی جو خاص اس کام کے لیے تخلیق کی گئی ہے وہ ماں ہے۔ کیا ہماری پریشانیوں کی وجہ یہ تو نہیں کہ ہم نے زندگی کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے؟ یا پھر ہم نے یہ تو چاہا کہ اچھے لوگ اس دنیا میں ہوں لیکن یہ بھول گئے کہ اچھے یا بُرے سب انسان دراصل آتے کہاں سے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ماں کے رول کو نظر انداز کر کے اس کی اولاد پر بھرپور توجہ دیں تو بہترین قوم پیدا کر سکیں؟

اِن سب سوالات کا جواب ایک ہی ہے کہ ہم نے یہ تو چاہا ہے کہ یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے لیکن یہ کام کرنے کے لیے بڑے لمبے اور کٹھن راستے چُنے ہیں اور ایسے بھٹکے ہیں کہ منزل دور دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ ایک چھوٹا خاندان چن لیں یا پھر پوری دنیا لے لیں ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔ دن بدن بڑھتے ہوئے جرائم اور لوٹ کھسوٹ نے ہم سب کو سخت تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہر کوئی سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ بے چینی اور اضطراب دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ وہ پیار و محبت و یگانگت اور ایثار و قربانی کا جذبہ اب ناپید کیوں ہو گیا ہے۔ صبر و تحمل جیسا جذبہ کیوں بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے؟ ذرا ذرا سی بات پر دوسرے کی جان کیوں لے لی جاتی ہے؟ کیا اس کا جواب یہ تو نہیں کہ شاید اب پہلے جیسی مائیں نہیں رہیں جو اپنے بچے کو شروع دن سے ہی محبت' احساس تحفظ اور بلند اخلاقی اقدار کی ایسی گھٹی دیتی تھیں کہ بچہ بڑا ہونے پر معاشرے کا ایک فعال فرد ہی بنتا تھا۔ مال و دولت کی ہوس سے اس کے ہوش نہیں اڑے ہوتے تھے کہ اس کو اچھے برے کی تمیز ختم ہو جائے اور وہ ایک بے حس سفاک انسان کا روپ اختیار کر لے۔ آج کل کی ماؤں کی مصروفیات اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ وہ بچے کی تربیت پر زیادہ وقت نہیں صرف کرتیں۔ وہ اپنے مشاغل کو بچے پر توجہ دینے سے زیادہ اہم سمجھتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آج کل کی نسل اس پیار' محبت و یگانگت' سکون اور احساس تحفظ سے محروم ہوتی جا رہی ہے جو پہلے وقتوں میں وافر مقدار میں موجود تھا۔ اس کی ایک وجہ خاندانوں میں پہلے سی محبت پہلے جیسا میل جول اور رواداری نہ ہونا بھی ہیں۔ گھر سے شروع ہونے والا یہ انتشار آہستہ آہستہ پورے معاشرے میں پھیل گیا ہے اور اس کی لپیٹ میں اچھے برے سب لوگ آ رہے ہیں۔

ایک انسان کو بنانے یا بگاڑنے میں ماں کا نہایت اہم کردار ہے۔ ہم جو کچھ ہیں جیسے بھی ہیں ہماری شخصیت بننے میں ماں کا بہت زیادہ ہاتھ ہے۔ اس لیے ماؤں کو چند ضروری باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ مستقبل کی باگ دوران کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

☆ سب سے پہلے ماؤں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اگر ان کی اپنی زندگی بامقصد اور بھرپور ہے اور وہ اپنی زندگی سے مطمئن اور پرسکون ہیں تو بچہ خود مثبت سوچ رکھنے لگتا ہے اور وہ بھی خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے میں وہ پیش پیش ہوتا ہے۔ اس لیے ماں یہ نہ سوچے کہ ان باتوں کا صرف اس کی ذات تک فائدہ یا نقصان ہے۔ بچے بہت سمجھدار ہوتے ہیں اور براہ راست ماں باپ سے اثر لیتے ہیں۔

☆ یاد رکھیئے! اللہ تعالیٰ نے آپ پر اولاد کی صورت میں بہت بڑی ذمہ داری عائد کی ہے۔ اولاد آپ کے لیے نعمت بھی ہے اور آزمائش بھی' کوشش کیجئے کہ سوچ سمجھ کر بچے کو پروان چڑھائیں۔ ساتھ ساتھ اپنا دھیان ضرور رکھیں۔ اپنی بھی ذہنی' جسمانی' روحانی اور جذباتی ضروریات کو پورا کریں۔ کیونکہ جتنا کچھ آپ زندگی سے حاصل کریں گے اس سے زیادہ اپنے بچوں کو دینے کے قابل ہوں گے۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

'' جنت تمہاری ماں کے قدموں تلے ہے۔ '' (نسائی)

عزت و تکریم ماں کو ایسے ہی نہیں مل گئی یقیناً وہ اس مقام کی اہل ہے۔

اداسیوں' رنجشوں' افسردگیوں اور خود ترسی اور غصہ کی کیفیت کو کبھی قریب بھی نہ پھٹکنے دیں ورنہ آپ کو پتہ بھی نہیں

☆ چلے گا اور آہستہ آہستہ ان منفی جذبات سے آپ کی شخصیت خراب ہونا شروع ہو جائے گی۔ آپ غصہ کرنے لگیں گی' بچوں کو مارنے پیٹنے لگیں گی۔

یاد رکھیئے! مسائل صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں ہیں' ہر گھر میں' ہر ماں کو' ہر انسان کو مختلف قسم کے مسائل وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں۔ کبھی ذاتی مسئلہ' کبھی مالی مسئلہ' کبھی میاں بیوی میں ناچاقی' کبھی سسرال سے ناراضگی وغیرہ وغیرہ لیکن یہ سب مسائل زندگی کے ساتھ ساتھ ہی ہیں۔ یہی زندگی ہے اور ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان مسائل کو سر پر سوار کیے بغیر ایک اچھی اور صحت مند زندگی گزارنے کی بھرپور کوشش کریں کیونکہ اسی کا نام زندگی ہے۔

اپنی زندگی کو ایسے ہی صبح سے شام اور شام سے صبح کر کے مت گزاریں۔ گھر کے کام کاج بہت اہم ہیں۔ بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت بہت ضروری ہے' بزرگوں کی خدمت بھی کرنی چاہیئے۔ لیکن ایک بات جو کہ بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہر حال میں اپنا علیحدہ ذاتی تشخص ضرور قائم رکھیں۔ اپنی ذات کو مناسب وقت ضرور دیں۔ اپنی ظاہری اور باطنی شخصیت کو بنا سنوار کر رکھیں۔ اپنی صلاحیتوں کو پالش کریں انہیں زنگ نہ لگنے دیں۔ ورنہ آپ اچھی بیوی بن سکیں گی نہ اچھی بہو اور نہ اچھی ماں۔ یاد رکھیئے! جتنا خوش اور

مطمئن اور مصروف آپ اپنے آپ کو رکھیں گی اتنا ہی خوش اور مطمئن آپ کے بچے رہیں گے۔ اپنی زندگی کا کوئی اچھا مصرف ضرور ڈھونڈیں تا کہ آپ کو جینے کا مزا آئے اور اس پر لطف اور بھرپور زندگی کا صرف آپ کو ہی نہیں آپ کے بچوں اور شوہر کو بطور خاص فائدہ ہوگا۔

☆ ماں کو چاہیئے کہ وہ بچوں کے سامنے کبھی دوسروں کی برائی نہ کرے۔ ٹھیک ہے ہوسکتا ہے اسے کسی نزدیکی رشتہ دار سے تکلیف پہنچی ہو لیکن بچوں سے ایسی بات کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے ذہن معصوم ہوتے ہیں۔ وہ بڑوں کے مسائل کو نہیں سمجھ سکتے اور خواہ مخواہ الجھ جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دادی انہیں تو بہت پیار کرتی ہیں پھوپھو یا خالہ انہیں بہت چاہتی ہیں تو پھر امی ان کو برا کیوں کہتی ہیں۔ بچوں کے معصوم ذہن تزلزل کا شکار ہو کر منفی رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

☆ ماں اور بچے کے رشتے کو اس طرح کا ہونا چاہیئے کہ بچے ہر قسم کی بات ماں سے کر سکیں۔ وہ یہ سوچ کر جھجک نہ جائیں یا خاموش نہ ہو جائیں کہ ماں کیا سوچے گی یا کہیں ڈانٹ تو نہیں دے گی۔ بچے کو ماں پر بھرپور اعتماد ہونا چاہیئے۔ ماں اور بچے میں اعتماد کے رشتے کا انحصار ماں کے رویے پر ہے۔ ماں اگر بچے کی حوصلہ افزائی کرے گی یا اس کی باتوں میں دلچسپی لے گی تو بچہ بھی ماں سے باتیں کرے گا۔ سکول کی یا دوستوں کی سب باتیں ماں سے آ کر کہے گا۔ یہی رویہ بیٹی کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے۔

☆ ماں ایک قسم کا رول ماڈل Role Model ہے جس کو بچے بہت غور سے دیکھتے ہیں اور ویسا ہی بننا چاہتے ہیں۔ جس بات پر ماں خوش ہوتی ہے یا ہنستی ہے بچہ وہ بات بار بار کرتا ہے۔ اس لیے بچے کے سامنے بیہودہ لغو باتوں پر ہنسنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ ان کو نہیں پتہ چلتا اور وہ ماں کو ہنستا دیکھ کر بعض مرتبہ غلط بات بھی کہہ جاتے ہیں۔

☆ ماں اور بچے کے درمیان زیادہ فاصلے نہیں ہونے چاہیئے۔ دوستانہ رویہ ہونا چاہیئے اس کو بچوں کے ساتھ زیادہ سختی سے نہیں پیش آنا چاہیئے اس کا رویہ اس قدر حاکمانہ نہیں ہونا چاہیئے کہ بچے سہمے رہیں۔ اس سے کوئی بات کرتے وقت ڈر جائیں یا حقائق چھپانے لگیں۔

☆ ماں کا لمس اور محبت اس کی گود کی نرمی، اس کی قربت کی خوشبو بچے کو روز نئی زندگی دیتی ہے۔ بچے کو ماں کا پیار، اس کا لمس اس کی مسکراہٹ اور شفقت کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نرم گرم جذبے بچے میں زندگی کی حرارت دوڑاتے ہیں۔ بچہ نئے سے نئی منزلوں کی طرف جوش و جذبے سے رواں دواں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک عورت بھوک کی حالت میں اپنی دو بچیوں کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئی اور کچھ

کھانے کو مانگا۔اس وقت گھر میں صرف ایک کھجور تھی۔حضرت عائشہؓ نے وہی اس عورت کو دے دی۔اس عورت نے کھجور کو آدھا کیا اور دونوں بچیوں کو کھلا دی۔حضور اکرم ﷺ نے اس موقع پر ماں کے جذبہ ایثار و قربانی کی بہت تعریف کی اور اس ماں کو جنتی قرار فرمایا۔

☆ ماں کی ہر بات کو بچہ سچ مانتا ہے۔بچہ دنیا کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جیسے ماں اسے دیکھنا چاہے۔سوچا جائے تو یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔اس لیے بچے کو اچھی باتیں ہی بتانی چاہئیں۔سچ بولنا' دوسروں کا احترام کرنا' دوستوں سے پیار اور رواداری رکھنا' تحفے دینا' اپنے سے کمتر کی بھی عزت کرنا اور اس کی مدد کرنا' غریبوں کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

☆ بچے میں خود اعتمادی اور اعتماد پیدا کیجئے۔ان کے ساتھ عزت سے پیش آئیں' لہجہ دھیما رکھیں۔یاد رکھیں جیسا آپ بچے کے ساتھ بولیں گی ویسے ہی بچہ باہر دوسروں کے ساتھ جا کر بولے گا۔

☆ خاص طور پر بیٹی ماں کی بہت زیادہ نقل کرنے کی کوشش کرتی ہے اس لیے بچوں کے سامنے اچھا نمونہ پیش کریں۔کیونکہ ماں نے صرف اپنی زندگی ہی نہیں گزارنا ہوتی مستقبل کے لیے نئی نسل تیار کرنی ہوتی ہے۔

یاد رکھیئے! بچوں کو صرف کھلانا' پلانا' پڑھانا اور جسمانی ضروریات کا خیال رکھنا ہی ماں کے لیے ضروری نہیں' یہ کام

☆ کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔ماں کا اصل کام بچے کی تربیت ہے۔یقین جانئے یہ کام صرف ماں ہی کر سکتی ہے۔اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ہمارے معاشرے میں اس جانب کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔بہت کم مائیں بچوں کے ساتھ گھل مل کر بیٹھتی ہیں' تبادلہ خیالات کرتی ہیں' ان کے مسائل سنتی ہیں اور مناسب رہنمائی کرتی ہیں۔(زندگی میں کن چیزوں کو اہمیت دینی چاہیئے اور زندگی کا کیا مقصد ہے۔یہ اگر ماں کو ہی معلوم نہیں ہوگا تو وہ بھلا بچے کو کیا بتائے گی۔اس لیے بچے کی بہترین تربیت کے لیے سب سے پہلے ماں کو اپنا آپ سمجھنا اور جاننا بہت ضروری ہے)۔

ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ وہ پہلے جیسی مائیں کہاں ہیں جن کے بارے میں تاریخ میں سنہرے الفاظ سے ذکر ہوتا

☆ ہے جیسے علامہ اقبال اور مولانا محمد علی جوہر کی والدہ جیسی ہستیاں۔یہ وہ مائیں تھیں جو کہ بظاہر دنیاوی علوم سے ناواقف تھیں' کبھی سکول مدرسے میں نہیں گئی تھیں۔لیکن ان کی گود میں پل بڑھ کر جوان ہونے والے نوجوانوں نے دنیا کی تاریخ بدل دی۔یہ ان کی فہم و فراست' سمجھداری' شعور اور روحانی طاقت کا کمال تھا جو انہوں نے قطرہ قطرہ اپنے بچوں میں اتار دیا اور نتیجہ آپ سب جانتے ہیں۔

☆ اچھی ماں گھر اور بچوں کے پیچھے اپنے آپ کو خراب نہیں کرتی ایسا کرنے والی ماں نہ خود خوش رہتی ہے اور نہ ہی بچے خوش رہتے ہیں۔ خراب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو یعنی اپنی ظاہری اور باطنی شخصیت کو نظر انداز کرنا' جسم اور حلیہ خراب کر کے رکھنا' اپنا دھیان نہ رکھنا' اپنی ذہنی اور جذباتی شخصیت کی پرواہ نہ کرنا۔ اس طرح وہ اپنے اندر منفی جذبات بھر رہی ہوتی ہے۔ یہ صحت مند یا مثبت رویہ نہیں۔ عام طور پر جب ایسی مائیں بوڑھی ہو جاتی ہیں تو اپنی قربانیوں کا حساب بچوں سے مانگتی ہیں اور بدلے میں بچوں سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر لیتی ہیں جو کہ ان کے اور بچوں کے درمیان بعض اوقات فاصلے پیدا کر دیتی ہیں۔ اس لیے اپنا دھیان خود رکھیں اپنی ذات پر توجہ دیں اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔

☆ ماں کو سب بچوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک رکھنا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ایک بچے کو ماں سے یہ شکایت ہو کہ وہ دوسرے کو زیادہ توجہ دیتی ہے یا اس کی زیادہ باتیں مانتی ہے۔ بچوں میں تفریق کرنا ان کے اندر محرومیاں پیدا کرتا ہے جو کہ بچے کو بہت تکلیف پہنچاتی ہیں اور زندگی میں آگے بڑھنے کے راستے میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ اس طرح بیٹے اور بیٹی میں بھی فرق نہیں رکھنا چاہیئے۔ دونوں کو ایک جیسی اہمیت ایک جیسا پیار ملنا چاہیئے۔ دونوں کو زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے مواقع ایک جیسے ملنے چاہییں۔

☆ یاد رکھیئے! ماں کی بے توجہی اور بچے کی ذات میں غیر دلچسپی بچے کو نفسیاتی اور روحانی طور پر مار ڈالتی ہے۔ بچے کا دل بجھ جاتا ہے اور وہ اپنی عمر کے دوسرے بچوں سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اپنے آپ کو کبھی اتنا اداس نہ ہونے دیں یا اپنے مسائل میں اس قدر نہ الجھ جائیں کہ آپ بچے کو بھول ہی جائیں اور مناسب وقت نہ دے پائیں۔ اپنے بچوں کی صحت اور خوشی کے لیے آپ خود بھی خوش رہنا سیکھیں۔ اپنے مسائل اور پریشانیوں کا حل ڈھونڈیں تاکہ آپ خود بھی بھرپور زندگی گزار سکیں اور بچوں کو بھی بھرپور زندگی دے سکیں۔

☆ بچوں سے وقتاً فوقتاً ضرور پوچھیں کہ وہ زندگی سے کیا امیدیں یا توقعات لگائے ہوئے ہیں تاکہ ان کو بھی زندگی کے مقصد کے بارے میں سوچنے کا موقع ملے۔ ایک اچھی ماں وہ ہے جو اپنے بچے کی طبیعت کو سمجھتی ہے۔ اس کی جسمانی' ذہنی' روحانی اور جذباتی ضروریات کا اس کو بخوبی علم ہے اور وہ کوشش کرتی ہے کہ ان کو پورا کرے۔ ایک بات کا خیال رہے کہ بچے کو آپ کی کتنی ضرورت ہے اس بات کا علم بچے کو آپ سے زیادہ ہے۔ اگر بچہ زیادہ وقت آپ کے پاس رہنا چاہتا ہے' آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہے یا کھیلنا چاہتا ہے اور آپ باورچی خانے یا گھر کے کاموں میں زیادہ وقت دیتی ہیں تو یہ بچے کے ساتھ ناانصافی ہے۔ بظاہر آپ اسی کے لیے گھر کے کام کر رہی ہوتی ہیں یا کھانا بنا رہی ہوتی ہیں یا کوئی اور کام کر رہی ہوتی ہیں لیکن بچے کو توجہ دینا

سب سے زیادہ اہم ہے۔اپنے وقت کو اس طرح سے بانٹئے کہ بچہ ہرگز نظر انداز نہ ہو۔

☆ اپنی کوئی بھی بات یا نظریہ بچے پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش ہرگز مت کریں۔ پیار سے سمجھائیں اور اگر بچہ نہ مانے تو اپنی بات منوانے پر اصرار مت کریں۔ چند معاملات ایسے ہوتے ہیں جو بچوں کے سمجھدار ہونے کا انتظار کرنے کے لئے روکے نہیں جا سکتے مثلاً نماز پڑھنا اور بھی دوسرے بہت سے معاملات ہیں۔ بچے کے ساتھ دوستانہ اور مشفقانہ رویہ ہونا چاہیئے۔ اسکے ساتھ ضد مت لگائیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود بخود باتوں کو سمجھتا جائے گا۔زبردستی اپنے راستے پر چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ بچے میں باغیانہ جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ یہ چند نہایت اہم پہلو ہیں جن پر غور اور عمل کرنے سے ہماری نسلوں میں ایک مثبت تبدیلی آ سکتی ہے۔اب وقت آ گیا ہے کہ ہم سب مل بیٹھیں اپنا بھی احتساب کریں اور سوچیں کہ ہم سے نئی نسل کو پروان چڑھانے کی ذمہ داری میں کوئی کوتائی ہو رہی ہے یا ہم ان بچوں کو مناسب وقت اور توجہ نہیں دے پا رہے یا پھر ان کے مسائل نہیں حل کر پا رہے۔ ہمیں اپنے رویے اور طریقے کو درست کرنا ہوگا ورنہ اگر یہی صورتِ حال رہی تو اس کے نہایت بھیانک اثرات مرتب ہو سکتے گے۔

☆ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر انڈین فلمیں دیکھنا یا ڈرامے دیکھنا بہت نقصان کا باعث بن رہا ہے۔ ہندو کلچر میں عورت کو ایک طرف مظلوم اور دوسری طرف چالاک اور مکار دکھایا جاتا ہے۔یہی ان کا کلچر ہے۔عورتوں کا سجنا سنورنا اور ناچ گانے میں ماہر ہونا اُن لوگوں کے لیے عام سی بات ہے۔ یہ چیزیں وہ اپنے میڈیا کے ذریعے ہمارے بچوں میں بھی ڈال رہے ہیں جو آگے چل کر ہمارے لیے بہت سے مسائل کا باعث بنیں گی۔ یہ ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کو ہر اُس چیز سے دور رکھے جو چاہے وقتی طور پر اچھی ہی لگتی ہو لیکن آگے چل کر غلط اثرات دیکھائے۔

ہمارے دین نے ماں کا درجہ اتنا بلند رکھا ہے کہ اُس کے قدموں تلے جنت کا اعلان کر دیا ہے۔شادی ہوتے ہی اُس کی تمام ضروریات اور جائز خواہشات کا ذمہ دار اس کے خاوند کو ٹھہرایا' اس کا آخر کیا مقصد ہے؟ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ ہم اُس دور سے گزر رہے ہیں کہ ہم اس دین کو رائج نہیں دیکھ سکے۔اگر وہ وقت لوٹ آئے جب اسلام آیا تھا تو شاید ہمیں اندازہ ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں ہونے کے ناطے عورت کو کیا بلند مقام عطا کیا ہے۔ایک اسلامی معاشرے میں عورت کو بحیثیت ماں وہ تمام سہولیات اور لوازمات سے مالا مال کیا جس کے بدلے میں وہ علم کے بلند معیار پر پہنچ کر ایک نسل کی تربیت کر سکے۔ یہ وہ کام ہے جو وہی ماں کر سکے گی جو اپنی ذات کی مکمل آگاہی اور اختیار رکھتی ہو۔ ہمارے ہاں عورتیں وہ سب کچھ تو حاصل کرنا چاہتی ہیں جو ہمارا دین لے کر آیا ہے لیکن وہ کام نہیں

کرتیں جوان کے ذمہ ہے۔یہی وہ سب سے بڑا اختلاف ہے جو دنیا میں ایک بہت بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے اور مغرب و مشرق سب اس حقیقت سے ناواقف ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔مسلمان عورت واپنی تربیت کا ذمہ اٹھانا ہوگا تب ہی وہ بہترین ماں ہونے کا حق حاصل کر سکے گی۔

☆ _____ ☆

اولاد کے حقوق

یہ موضوع ایسا ہے کہ شاید کبھی کسی نے اس پر زیادہ غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اولاد کو ان کے فرائض بار بار ضرور یاد دلائے جاتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ بہت کم والدین یہ جانتے ہیں کہ ان کے ذمے ان کی اولاد کے کیا حقوق ہیں۔

اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اولاد کو دو وقت کا کھانا' ضرورت کے کپڑے اور رہنے کے لیے چھت مہیا کر کے ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے تو یہ ہماری بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ یہ سب جانور بھی کرتے ہیں۔ کتا' بلی' گائے' چرند' پرند سب اپنی اولاد کے تحفظ کے لیے جان پر کھیل جاتے ہیں اور اولاد کی بھوک اور حفاظت کے لیے خاص دھیان رکھتے ہیں۔

انسان اور اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے ہم پر کافی زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہم اپنی اولاد اور خدا کے آگے جوابدہ ہیں۔

ہماری اولاد ہماری وجہ سے اس دنیا میں وجود میں آئی ہے۔ اگر ہم نہ چاہتے تو وہ دنیا میں نہ آتے ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے اس نعمت سے ہمیں نوازا ہے اور اس کی مدد مانگنی چاہیئے کہ وہ ہمیں اپنی اولاد کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی ہمت اور طاقت دے۔

اولاد کو صرف پیدا کرنا ہی اصل کام نہیں ہے' بچوں کی جسمانی' ذہنی' جذباتی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنا بھی والدین کا فرض ہے۔ یقین جانیئے ہم میں سے کوئی بھی اس بات سے پوری طرح سے واقف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کے بارے میں ہم سے کتنی زیادہ سخت باز پرس کرنی ہے۔ اولاد ہمارے پاس خدا کی امانت ہے۔ ہماری اولاد کا اصل خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے بے انتہا پیار کرتا ہے۔ وہ ہرگز ہرگز نہیں چاہتا کہ جو بندے اس نے بطورِ اولاد کے امانتاً ہمیں سونپے ہیں ان سے ہم کوئی زیادتی کریں یا ان کی بنیادی ضروریات کا خیال نہ رکھیں کیونکہ ہماری اولاد اس عظیم خالق کے نظام کائنات کی اگلی اہم کڑی ہے۔ اگر ہم نے اپنی ذمہ داری ٹھیک طرح سے پوری نہ کی تو اس کے نہایت بُرے نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔

مندرجہ ذیل چند اہم باتوں کا خیال رکھ کر ہم اپنے بچوں کے حقوق بہتر طریقے سے ادا کر سکتے ہیں۔

☆ یاد رکھیئے آپ کا ہر بچہ دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ہر بچے کی طبیعت کو سمجھیں اور اس کے مطابق بچے کی پرورش کریں۔

☆ اولاد کی بنیادی ضروریات یعنی انکی خوراک' آرام' رہائش اور تعلیم وتربیت ماں باپ کے اولین فرائض میں سے ہیں۔اس کا ان پر احسان جتانا سراسر غلط ہے۔

☆ ہر بچے کا پیدائشی حق ہے کہ اس کو شخصی آزادی ہو۔یعنی وہ اپنی مرضی اور شوق کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ اولاد کو اچھا ماحول دیں اور برے بھلے کی تمیز بتائیں اس کے بعد بچوں کو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے دیں تا کہ پہلے دن سے ان میں اعتماد پیدا ہو۔

☆ بچوں کا حق ہے کہ آپ ان کو خوش اور مطمئن رکھیں۔ان کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے۔اس سے ان کی قدرتی صلاحیتیں زیادہ نکھر کر سامنے آئیں گی۔

☆ پڑھائی کے ساتھ ساتھ بچوں کو کھیل کود اور تفریح کے مواقع مہیا کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ بچے اس ماحول کے عادی ہو جاتے ہیں جو ماحول والدین ان کو دیتے ہیں۔کوشش کریں کہ بچوں کو خوش رکھیں۔ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی خوشی اور مسرت کا اظہار کریں' ان کی باتیں توجہ سے سنیں اور ان کو مناسب وقت دیں۔ان کو توجہ دیں تا کہ انہیں اپنی اہمیت کا احساس رہے۔

☆ یاد رکھیئے! بچہ ایک مکمل شخصیت ہے۔حتیٰ الامکان کوشش کریں کہ بچے کی عزت نفس کو کبھی ٹھیس نہ پہنچے۔اسے بلاوجہ بلند آواز مت ڈانٹیں اور نہ ہی ماریں منہ پر تو ہرگز نہ ماریں۔اس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

☆ بچے کو کوئی بات سمجھانا مقصود ہو یا کسی بات پر ڈانٹنا ہو تو کبھی کسی دوسرے کے سامنے نہ کریں تنہائی میں سمجھائیں۔

☆ بچوں کی بے عزتی نہ کریں اور زیادہ روکا ٹوکا مت کریں ورنہ بچے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں۔

☆ بچوں کو سیر کے لیے لے کر جائیں' ان کو دوسرے لوگوں سے ملوائیں' ان سے باتیں کریں اور کھیلیں۔اس سے بچوں میں پیار کرنے اور احساس تحفظ پیدا ہوتا ہے اور بچوں کا ماں باپ اور بہن بھائی سے رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

☆ یاد رکھیئے! اگر آج آپ نے بچوں کو صحیح طور پر پیار' توجہ اور اہمیت دی تو کل زندگی کی سب مصروفیات کے باوجود بچے آپ کے حقوق ادا کریں گے۔

☆ بچوں کے ساتھ پیار کریں ان کو گود میں لے کر بیٹھیں' انہیں گدگدی کریں ان کو تھپکی دیں اور ان کو چومیں۔دونوں ماں اور باپ کو ایسا کرنا چاہیئے۔دونوں رشتوں کی اپنی اہمیت ہے۔

☆ بچوں کے لیے زیادہ روک ٹوک اچھی نہیں ہوتی' وہ چڑ جاتے ہیں۔زیادہ روک ٹوک بچوں کو باغی بنا سکتی ہے۔

☆ بچوں کی عادتوں کی، ان کی شکل کی اور ان کی ذہانت کی تعریف کریں۔ان کو وقتاً فوقتاً اچھا کام کرنے پر تحفہ ضرور دیں۔

☆ بچوں کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ دوسروں کی مدد کریں اور روزانہ کوئی اچھا کام کریں۔

☆ جب مہمان آئیں تو ہمیشہ بچوں کی اچھی باتیں ان کے سامنے بیان کریں تاکہ بچے کو اپنی اہمیت کا احساس ہو۔

☆ سب بچوں کو اکٹھا کر کے روزانہ تھوڑی دیر گپ شپ لگائیں اور ہنسی مذاق کریں۔اگر بچے بڑے ہوں تو ان کے بچپن کے واقعات بیان کریں۔اس سے بچے کو اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہے۔ان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ماں باپ کو بہت پیارے ہیں اور ان کی زندگی میں اس کی بہت اہمیت ہے۔

☆ بچوں کی کوئی غلط حرکت یا غلط بات بھی ان کی موجودگی میں دوسرے کو مت بتائیں اس طرح بچہ بار بار وہ حرکت کرتا ہے۔

☆ بچے بہت معصوم ہوتے ہیں اور نہایت ذہین بھی وہ ماں باپ کو بہت غور سے دیکھتے اور ان کی باتوں کو یاد رکھتے ہیں۔ زیادہ تر بچے کسی نہ کسی پہلو سے ماں باپ کے نقشِ قدم پر بھی چلتے ہیں، ان کی نقل کرتے ہیں اس لیے ماں باپ پر نہایت اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بچوں کے سامنے اچھا نمونہ پیش کریں۔

☆ یاد رکھیئے! اپنی محرومیوں یا حسرتوں کا بدلہ بچوں سے مت لیں نہ ہی اپنے نامکمل خوابوں کو بچوں کی شکل میں پورا ہوتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کریں۔ بچوں کی اپنی علیحدہ سوچ، اپنی علیحدہ شخصیت ہے، ان کو اپنی مرضی کی زندگی جینے کا حق دیں۔یہ بات مت بھولیں کہ آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا کام لینا ہے اس لیے زبردستی ان کو اپنی مرضی کے راستے پر چلانے کی کوشش نہ کریں۔

☆ بچوں کو ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے محروم نہ کریں۔اس سے ان کا دل بجھ جاتا ہے نہ ہی بچوں کے آگے خاندانی جھگڑے اور مسائل بیان کریں۔بچوں کا ذہن ناپختہ ہوتا ہے وہ الجھ جاتے ہیں ہوسکتا ہے کہ بعض وجوہات کی بنا پر آپ کے تعلقات اپنے سسرالی رشتہ داروں سے اچھے نہ ہوں لیکن ان باتوں کا اثر بچوں پر ہرگز نہیں پڑنا چاہیئے۔بچوں کو ان پیار کے رشتوں سے محروم نہ کیجئے۔ان کے لیے نانا نانی، دادا دادی، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی ہر رشتہ اہم ہے۔بچوں کو ان رشتوں سے پیار ملتا ہے اور وہ تحفظ محسوس کرتے ہیں۔اپنی ذاتی رنجشوں کی وجہ سے ان کو اپنے حصے کا پیار لینے سے محروم نہ کریں۔صرف اپنی طرف مائل رکھنے کے لیے بچوں کے دلوں میں دوسروں کے لیے نفرتوں کے بیج نہ بوئیں ورنہ بچے آہستہ آہستہ تنہا ہو جائیں

گے۔انہیں قریبی رشتوں سے اعتبار اُٹھ گیا تو وہ غیروں پر یہاں تک کہ دوستوں تک پر اعتبار کرنا نہیں سیکھیں گے۔اس لیے اس معاملے کی نزاکت کو سمجھیئے اور بچوں کو پیار کرنا سکھایئے نفرت نہیں۔

☆ بچے آپ کے مسائل کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ان کے سامنے زیادہ مسئلے مت بیان کیجئے۔عمر کے مطابق کچھ نہ کچھ علم ان کو ہونا چاہیئے لیکن زیادہ نہیں۔بچوں کا حق ہے کہ آپ ان کے مسائل حال کرنے میں مدد کریں نہ کہ اپنی پریشانیاں ان کے سامنے بیان کریں۔

☆ اگرچہ آپ محدود وسائل کی وجہ سے بچے کو اس کی خواہش کے مطابق کوئی چیز نہ دلا سکیں تو بچے کو آرام سے سمجھا دیں کہ ابھی ایسا کرنا ممکن نہیں جیسے ہی کوئی رستہ نکلا تو آپ اس کی خواہش کو پورا کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔یاد رکھیئے! بچے کے آگے اپنی مالی مشکلات کا رونا مت روئیے ورنہ بچہ خاموش تو ہو جائے گا لیکن اس کے دل میں غصہ اور محرومی آ جائے گی۔

☆ بچے کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو مت پورا کریں ورنہ اس کو اپنی صحیح یا غلط سب باتیں منوانے کی عادت پڑ جائے گی۔بچے کو بگاڑیں مت' زندگی میں سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔بچے کو بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کی حدود کیا ہیں اور یہ کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

'' سب سے افضل تحفہ جو والدین اپنی اولاد کو دیتے ہیں وہ اچھی تربیت ہے۔'' (ترمذی)

لہٰذا بطورِ والدین ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو بھرپور طریقے سے سمجھنا ہوگا جن میں سب سے اہم اولاد کو بہترین تعلیم و تربیت مہیا کرنا ہے جس کی بنا پر کل کو وہ ایک باکردار اور ذمہ داری شہری بن سکیں۔

☆ _____ ☆

طلباء کے حقوق

نسلِ انسانی کی پرورش کی ذمہ داری بنیادی طور پر دو لوگوں پر ڈالی گئی ہے والدین اور اساتذہ۔ یہ ذمہ داری اس قدر اہمیت کی حامل ہے جو کہ نظر انداز نہیں کی جاسکتی اور شاید یہ ایک واحد کام ہے جس میں ایک سے زیادہ لوگوں کی رہنمائی درکار ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنے قدموں پر کھڑے ہونے تک ہر بچہ ماں باپ اور اساتذہ کی رہنمائی کا طلب گار رہتا ہے۔ ایک کامیاب انسان بنانے میں والدین اور خاص طور پر ماں کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ جیسے جیسے بچہ بڑا ہو کر ماں کی گود سے نکلتا ہے باہر کی دنیا اس پر اثر انداز ہونے لگتی ہے۔ ماں کا کردار بھی بچہ کی ضروریات کے پیش نظر بدلتا رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ پرورش سے تربیت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ ماں اپنی مامتا سے بڑھ کر ایک استاد بن جاتی ہے۔ ماں کی گود ہی ہر بچے کے لیے پہلے درس گاہ بنتی ہے اور بچہ پیار و محبت کی مضبوط بنیاد پر زندگی کی عمارت کھڑی کرنا شروع کرتا ہے۔ ہر ماں اپنی سمجھ اور علم کے مطابق بچے کو صحیح و غلط بتاتی ہے اور اس طرح بچہ صحیح و غلط میں فرق محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ تو ایک آئیڈیل صورت حال ہے۔ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کے سارے بچوں کے مقدر میں ماں نہیں ہوتی۔ سینکڑوں کو ماں کا پیار نہیں ملتا اور لاکھوں کو ماں کو استاد کے روپ میں دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ اس صورتِ حال کا ذمہ دار کچھ حد تک تو ہم قدرت کو ٹھہرا سکتے ہیں لیکن چونکہ ہم قدرت کے قوانین سے لڑ نہیں سکتے اس لیے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ بچے جو اس صورتِ حال کا شکار ہیں یا پھر اگر کسی بھی وجہ سے والدین بچے کی پرورش نہ کر سکیں تو پھر آخر یہ کس کی ذمہ داری ہے؟ یہاں ہماری نظر اساتذہ پر جاتی ہے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر اساتذہ کی اہمیت اور ان کے کندھوں پر نسلوں کی پرورش کی ذمہ داری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک سچا واقعہ یقیناً ہم سب کو یہ سوچنے پر مجبور کر دے گا کہ ایک استاد کس طرح اثر انداز ہو کر لوگوں کی زندگیاں بدل سکتا ہے۔

ایک کالج کے سماجیات (Sociology) کے پروفیسر اپنی کلاس کو بالٹی مور کے بوسیدہ محلے میں بچوں کے بارے میں جاننے (Case Study) کے لیے لے گئے۔ دو سو طالب علموں کے بارے میں سب کی رائے یہ تھی کہ اس قدر غربت اور افلاس میں ان بچوں کے کامیاب ہونے کی امید کی ہی نہیں جاسکتی۔ 25 سال کے بعد اسی ادارے کے ایک دوسرے Sociology کے پروفیسر نے تجسس کی بنا پر اپنی کلاس کو اس بات پر راضی کیا کہ اس فائل میں جن لوگوں کے نام ہیں ان کے بارے میں معلوم کرتے ہیں۔

بیس طالب علم یا تو کہیں اور چلے گئے تھے یا زندہ نہیں تھے باقی 180 میں 176 کامیابی کی منزلیں غیر معمولی طور پر طے کر کے ڈاکٹر یا وکیل یا بزنس میں بن چکے تھے۔ یہ جاننے کے بعد پروفیسر اور اس کی کلاس کا تجسس اتنا بڑھا کہ انہوں نے مزید جاننے کے لیے ان سب کو ڈھونڈنا شروع کیا تا کہ پوچھ سکیں کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا۔ ہر ایک سے انہیں ایک ہی جواب کہ یہ سب ایک استاد کی بدولت ہوا۔ اب تو اس استاد کو ڈھونڈنا اور تفصیل پوچھنا سب کے لیے ناگزیر تھا۔ خوش قسمتی سے وہ ٹیچر زندہ تھیں سو وہ سب ان تک پہنچ گئے اور دریافت کیا کہ ایسا کیا جادو ان کے پاس تھا جس نے ان کے طالب علموں کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ٹیچر کی آنکھوں میں ایک چمک آئی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے جواب دیا یہ تو بہت آسان تھا کیونکہ میں نے ان بچوں کو دل کی گہرائی سے پیار کیا اور ان کے لیے کامیابی کی خواہش کی۔

کتنے افسوس اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اتنی آسان بات ہمارے ہاں اساتذہ کو ابھی تک سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ٹیچر بننا کوئی نہیں چاہتا جب ڈاکٹر یا انجینئر بننے کی ساری کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں تو تنگ آ کر ٹیچر بن جاتے ہیں۔ جتنے ٹوٹے ہوئے دل سے اساتذہ اپنا کام کرتے ہیں ویسے ہی نتائج کے حامل ان کے طالب علم ہوتے ہیں۔ خاص طور پر ہمارے ہاں پرائمری سطح پر بالکل غیر تربیت یافتہ اساتذہ کے ہاتھوں میں معصوم ذہنوں کی باگ دوڑ سونپ دی جاتی ہے۔ جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی کے پہلے سات سال ہی ذہن کی شعوری اور غیر شعوری نشو ونما کے لیے بہت اہم ہوتے ہیں۔ ایک پیار کرنے والے استاد سے اس کے طلباء کی والہانہ محبت سے تو ہم سب واقف ہیں لیکن شاید اس کے اثرات کو (Under Estimate) کر لیتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اکثر والدین آ کر ٹیچر سے کہتے ہیں کہ مہربانی کر کے آپ ہمارے بچے سے کہہ دیں کہ وہ دودھ پیا کرے یا رات کو جلدی سوئے یا یہ کہ دن میں دو بار وہ دانت برش کیا کرے کیونکہ ہمارے بچے کا کہنا ہے کہ اگر میری ٹیچر کہیں تو میں مان لوں گا۔

ذرا اندازہ لگایئے ایک استاد بچے کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہاں تو معاملہ ہی کچھ الٹ ہے۔ سکولوں میں صرف (Text) ختم کروانا اساتذہ کا واحد مقصد ہے۔ جو تعلیم طالب علموں کو دی جا رہی ہے وہ محض ڈگریوں تک محدود ہے۔ پھر یہ گلہ کیا جاتا ہے کہ اس پیشے میں عزت نہیں رہی' طالب علم ٹیچر کا احترام نہیں کرتے' کیسے کریں احترام' ہم نے انہیں دیا کیا ہے' بے راہ روی بلا مقصد زندگی اور کتابوں کا بوجھ! چھوٹے چھوٹے بچوں کے بستے اتنے وزنی ہوتے ہیں کہ بڑوں سے اٹھائے نہیں جاتے۔ اساتذہ کی اپنی ذہنی کیفیت یہ ہے کہ اچھے برے کا فرق معلوم نہیں۔ بڑے بڑے اونچے درجے کے سکولوں کی اُستانیوں کو دیکھیں تو یہ بتانا مشکل ہوگا کہ کسی سکول میں

پڑھانے جا رہی ہیں یا پھر فیشن شو میں Cat Walk کے لیے جا رہی ہیں۔اسی طرح کے ایک سکول کی پرنسپل تو بھلائے نہیں بھولتی جنہوں نے یہ کہہ کر ایک سیمینار میں آنے سے معذرت کر لی کہ انہیں اچھے انسانوں سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ صرف اچھی انگریزی بولنے والی ٹیچرز سے دلچسپی ہے۔

کوئی کام بذاتِ خود چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا بلکہ اس کام کے نتائج ہی اس کام کا چھوٹے یا بڑے ہونے کا تعین کرتے ہیں ہم نے خود تعلیم کے شعبے کو بے معانی نتائج کی بنا پر چھوٹا بنا دیا ہے اور محض چند پیسوں کے عوض وقت گزارنے کا ایک ذریعہ بھی۔یقیناً یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ اساتذہ اپنی اہمیت سے ناواقف ہیں۔

قرآن پاک کی پہلی آیت نازل ہوئی تو خدا اور اس کے بندے کے درمیان استاد اور شاگرد کا رشتہ قائم ہوا۔

> ''اے محمد ﷺ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ جس نے (عالم کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں بتائیں جن کا اسے علم نہ تھا۔'' (96: 1-4)

علم کی اہمیت ہی سے علم دینے والے کی اہمیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔تعلیم دینا تو نبیوں کا شیوہ اور پیغمبروں کی میراث ہے اور ساتھ ہی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت بھی۔تعلیم دینا تو افضل ترین پیشہ ہے جو کہ دنیا کے عظیم ترین دانش وروں نے اپنایا۔ارسطو' افلاطون' امامِ غزالی' ابن خلدون' امام ابوحنیفہ اور امام مالک جیسے لوگ جو علم کا سرچشمہ بھی بنے اور اس شعبے کو معتبر بھی کیا۔

جب اساتذہ اپنا فرض انصاف سے پورا کرتے ہیں تو جو عزت و احترام ان کے حصے میں آتی ہے اس کا اندازہ صرف وہ استاد ہی لگا سکتا ہے (اس موقع پر وہ واقعہ قابلِ بیان ہے) جو خلیفہ ہارون رشید اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ جمعے کی نماز پڑھنے مسجد گئے تو وہاں ان کے بیٹوں کے استاد بھی نماز پڑھنے آئے ہوئے تھے۔جیسے ہی نماز ختم ہوئی دونوں لڑکے بھاگے کہ استاد کے جوتے کون اٹھا کر لاتا ہے اور خلیفہ ہارون رشید کی آنکھیں عقیدت سے بھر آئیں جب انہوں نے دیکھا کہ ایک بیٹے نے ایک جوتا اٹھایا ہوا ہے اور دوسرے نے دوسرا جوتا اٹھایا ہوا تھا اور استاد کا انتظار کر رہے تھے۔یقیناً اگر ہم نے اس معاشرے کو اچھے استاد دیئے تو یہ معاشرہ بھی ہمیں ایسے ہی طالب علم دے گا۔

نکاتِ فکر

☆ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ٹیچر آپ اپنی مرضی سے بنے ہیں یا پھر کسی اور وجہ سے' اب بہر حال یہ بھاری ذمہ داری آپ کے کندھوں پہ آن پڑی ہے۔

☆ کوشش کیجئے کہ یہ ذمہ داری انصاف سے نبھائیں کیونکہ جن بچوں کو آپ تعلیم دے رہے ہیں ان کو آپ کے حالات سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیئے۔

☆ text پڑھانے کے ساتھ ساتھ بچوں کی اخلاقیات پر بھی توجہ دیں۔ ہمارے ہاں اخلاقیات پر بہت کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ چھوٹے بچوں کو کہانیاں سننے کا شوق بھی بہت ہوتا ہے استاد خود بھی موقع کی مناسبت سے چھوٹی چھوٹی کہانیاں بنا کر سنا سکتے ہیں۔ بڑی کلاسز کے بچوں کے لیے حقیقی دنیا کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ ہمارے اردگرد ہر وقت نئی نئی کہانیاں جنم لیتی ہیں اور معجزات رونما ہوتے ہیں۔ ایک اچھا استاد بڑی آسانی سے اپنے طالب علموں کو حالات سے آگاہ بھی رکھ سکتا ہے اور اچھے برے کی پہچان بھی کروا سکتا ہے۔

بچوں کو خواب دیکھنے اور بڑی بڑی باتیں کرنے سے کبھی نہ روکیں۔ خواب دیکھنے والے بچے ہی زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ایک سچا واقعہ اس معاملے کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ خواب دیکھنے سے کیا مراد ہے۔ ایک دس سال کا بچہ جس کا باپ ایک بہت بڑے اصطبل کا رکھوالہ تھا' گھوڑے پالنے کا بڑا شوق رکھتا تھا۔ ایک روز کلاس میں استاد نے بچوں سے اپنی زندگی گزارنے کے بارے میں مضمون لکھنے کو کہا۔ اس بچے نے اپنے ایک خواب کو بہت خوبصورت ڈرائینگ کی شکل دے کر کاغذ پر اتارا استاد نے دیکھ کر اسے بہت ڈانٹا کہ کیوں خوابوں کی دنیا میں رہتے ہو' اتنے غریب ہو کر تمہیں یہ سب سوچنا بھی نہیں چاہیئے۔ یہ کہہ کر استاد نے بچے کو فیل کر دیا اور کہا ایک ہفتے کے اندر اندر نیا مضمون لکھ کر لاؤ ورنہ سکول نہ آنا۔ وہ بچہ بڑا پریشان ہوا لیکن اس نے مضمون نہ بدلا اور ایک ہفتے کے بعد وہی مضمون لے کر دوبارہ استاد کے پاس گیا اور کہا میں مضمون نہیں تبدیل کروں گا اور سکول چھوڑ دیا۔ بیس سال بعد وہی ٹیچر کسی دعوت پر اپنی کلاس کے بچوں کو لے کر ایک Ranch پر لے گئی۔ استقبال کرنے کے لیے ان کا وہی طالب علم کھڑا تھا جس نے کبھی یہ خواب دیکھا تھا۔ Ranch بالکل ویسا ہی تھا جیسے اس نے تصویر میں بنایا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ ٹیچر بہت شرمندہ تھی کیونکہ اس کامیابی کا حصہ نہیں تھی۔

☆ بچوں کی نشو ونما پر ایک استاد کا کیا اثر ہو سکتا ہے اس کو جاننے کے لیے شکاگو کے ایک سکول میں ایک تجربہ کیا گیا۔ ایک کلاس میں بچے بڑی اچھی طرح اپنا کام کرتے تھے ان کی ٹیچر ان کو ہر وقت یہ احساس دلاتی تھی

کہ وہ بہت اچھے بچے ہیں۔ دوسری طرف اسی طرح کی ایک کلاس کے بچے کچھ سست واقع ہوتے تھے کیونکہ ان کی ٹیچر ان کو یہ کہتی تھی کہ یہ لوگ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ تجربے کے طور پر پہلی ٹیچر کو دوسری کلاس کے بچے دے دئے گئے اور دوسری ٹیچر کو پہلی کلاس کے بچے دے دئے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد پتہ چلا کہ اچھا کام کرتے ہوئے بچوں نے اس ٹیچر کے پاس آنے کے بعد سے کام کرنا چھوڑ دیا اور فیل ہونا شروع ہو گئے اور دوسری طرف نالائق بچے جو کہ اس ٹیچر کے پاس بھیج دیئے گئے تھے جو بچوں کی حوصلہ افزائی کرتی تھی' بہترین نتائج دکھانے لگے۔ اندازہ لگایئے ایک استاد کی حوصلہ افزائی بچوں پر کیا اثر ڈال سکتی ہے۔

☆ ایک استاد ہونے کے ناطے آپ کا ہر عمل بچوں کے لیے ایک مثال ہونا چاہیئے۔ استاد کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ بچوں کے لیے نمونہ بن سکے اور پھر انہیں کامیاب دیکھ کر فخر کر سکے۔

مختصراً یہ کہ تعلیم کا شعبہ بہت عزت واحترام کی حیثیت رکھتا ہے بشرطیکہ اساتذہ اپنی اہمیت جانتے ہوں اور یہ سمجھتے ہوں کہ ان کے کندھوں پر کس طرح کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ یہ اساتذہ ہی ہیں جو نسلوں کو تباہ ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ بے شک ہم کسی یتیم کو ماں لا کر نہیں دے سکتے یا بچوں کے ان پڑھ ماں باپ کو تعلیم تو نہیں دلا سکتے لیکن اساتذہ تو دے سکتے ہیں اور یہ اساتذہ ہی ان بچوں کی کتنی (Emotional Needs) پوری کر سکتے ہیں اور انہیں دنیا کی دوڑ میں گرنے سے بچا سکتے ہیں اور انہیں اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ کامیاب زندگی گزار سکیں۔

آیئے آج یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے پیشے سے پورا پورا انصاف کریں گے اور اس قوم کو ایسے طالب علم مہیا کریں گے جو اس دنیا کو بدل کر رکھ دیں۔

☆ _____ ☆

خواتین کے حقوق

خواتین کے حقوق ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت بحث بھی کی جاسکتی ہے اور بہت سوچ و بچار بھی۔ بے شمار کتابیں اور آرٹیکلز بھی لکھے گئے ہیں لیکن نتیجہ کچھ خاص ظاہر نہیں ہوا۔ اگر عورت کے مقام میں کوئی فرق آیا بھی ہے تو وہ بہت ہی معمولی نوعیت کا ہے۔ عورت آج تک اپنے حقوق کے لیے لڑ رہی ہے۔ ابھی تک عورت معاشرے میں وہ مقام ہی حاصل نہیں کر سکی جو اس کا حق ہے۔ کیا یہ حق ملنے کے بعد ہی وہ اپنا کام صحیح طریقے سے کر پائے گی؟ دوسری طرف یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ کیا عورت اپنا کام صحیح طور پر کئے بغیر اپنا حق حاصل کر سکے گی؟ آیئے سب سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں کہ کیا عورت کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے انتظار کرنا چاہیئے؟ کیا پھر اپنا رول نبھا کر ثابت کرنا چاہیئے کہ اسکے کیا حقوق ہیں؟ ایک اہم نقطہ جسے ہم عام طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ حقوق وفرائض کا براہِ راست تعلق ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے حقوق پورے کئے جائیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارے فرائض کیا ہیں۔

حقوق کا حصول فرائض کی ادائیگی کا مرہونِ منت ہے اور فرائض کے مابین تعلق توازن بھی ظاہر کرتا ہے۔ یعنی جتنے حقوق زیادہ ہونگے ذمہ داریاں اور فرائض بھی اتنی ہی زیادہ ہونگی۔ زندگی میں دونوں چیزوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا لازمی ہے۔ جبکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ حقوق وفرائض کے توازن اور براہِ راست تعلق کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک غیر متوازن ماحول پیدا ہوا ہے۔ جس کا اثر گھروں پر بھی واضح ہے اور معاشرے پر بھی۔ حقوق و فرائض کا لازم وملزوم ہونا ایک آفاقی اصول (Universal Law) ہے۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے بنائی اور اس کو چلانے کے اصول واضع کئے' یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم ان اصولوں کو توڑ کر زندگی کو صحیح راہوں پر استوار کر سکیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ آدم نے شروع سے اب تک ان اصولوں کو توڑ کر اپنے خود ساختہ اصول نافذ کرنے کی کوشش میں بہت وقت' توانائیاں اور صلاحیتیں ضائع کی ہیں۔ ایک عام مثال لے لیں' جب بھی عورتوں کے حقوق کا ذکر آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو بہت حقوق دیئے بلکہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے عورت کو اس کا صحیح مقام دیا۔ خواتین یہ سن کر خوش ہو جاتی ہیں اور یہ جان ہی نہیں پاتیں کہ حقوق ان تک پہنچ بھی پائیں گے کہ نہیں اور حقیقت بھی ہے کہ لاکھوں میں ایک عورت ہی ہوتی ہے جس کو اس کے حقوق پورے ملتے ہیں۔ وجہ ہم جان چکے ہیں کہ حقوق ملنے کا راستہ فرائض کے راستے سے ہو کر گزرتا ہے۔ ایک اور نقطہ جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ حقوق صرف وہ نہیں ہوتے جو

دوسرے نے پورے کرنے ہوں مثلاً بیـــــوی کا نان نفقہ خاوند کے ذمے ہے۔ یہ تو وہ حق ہے جو کسی دوسرے کے ذمے ہے۔ اب یہ خاوند کے ذمے ہے کہ وہ بیـــــــوی کا حق اسے دے یا نہ دے بہر حال یہ ایک الگ معاملہ ہے۔ بہت سے حقوق تو ایسے بھی ہیں جن کا تعلق صرف اپنی ہی ذات سے ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ بـــحیثیـــت قوم ہم عادی ہو چکے ہیں کہ اپنی طرف توجہ کرنے کی بجائے ہمیں یہ زیادہ آسان لگتا ہے کہ دوسرے کے گلے پڑ جائیں لہٰذا ہم یہ جاننے کی زحمت ہی نہیں کرتے کہ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم خود اپنے لیے کچھ کر سکیں؟

دو سہیلیاں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک کے حالات بہت خراب تھے اور وہ اُن خراب حالات کی چکّی میں بُری طرح پس رہی تھی۔ دوسری سہیلی بڑی پُرسکون زندگی گزار رہی تھی جو کہ یقیناً رشک کے قابل تھی۔ ایک نے کہا کاش تمہاری طرح کی زندگی مجھے بھی مل جاتی تو دوسری نے فوراً موقع کا فائدہ اٹھا کر کہا تم بھی وہ طرزِ زندگی اپنا لو جو میں نے اپنایا ہے اچھی زندگی کی گارنٹی تمہیں میں دے دیتی ہوں۔ آج اس واقع کو دو سال سے اوپر کا عرصہ گزر چکا ہے نہ تو پہلی خاتون کی زندگی میں تبدیلی آئی اور نہ ہی اُس کے حالات میں۔ اللہ تعالیٰ تو بتا چکا ہے کہ وہ اُن لوگوں کی حالت نہیں بدلتا جو اپنا آپ خود نہیں بدلتے۔

> ''یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔'' (8: 53)

☆ حقوق میں اولین حق تو یہ بنتا ہے کہ عورت اپنے آپ کو جانے اور اپنا مقام پہچانے۔

☆ عورت کا حق ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔ (علم سے مراد صرف ڈگریاں نہیں ہیں)

☆ عورت لفظ کا معنی پوشیدہ ہے یعنی عورت کا حق ہے کہ وہ کھُلم کھُلا ہر ایک کے لیے حاضر نہ رہے۔

یہ وہ بنیادی حقوق ہیں جن کا تعلق عورت کی اپنی ذات سے ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نقاط ہیں جو اِس زمرے میں زیرِ بحث لائے جا سکتے ہیں لیکن آج ہم صرف ان ہی معاملات پر بحث کریں گے۔

اپنا مقام پہچاننے کے معاملے میں خواتین نے بہت سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ طرح طرح کی غلط فہمیاں عورتوں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اگر عورت کو یہ کہا جائے کہ گھر میں رہنا اس کا حق ہے تو اپنے آپ کو قیدی محسوس کرنے لگتی ہے حالانکہ گھروں میں رہنا تو اس کے فائدے کی بات ہے۔ اگر عورت کو باوقار طریقے سے لباس پہننے کو کہا جائے تو وہ اُسے بھی اپنے اوپر ایک پابندی خیال کرتی ہے اور پردہ کرنے میں گھبراہٹ کا مظاہرہ کرتی

ہے۔اِن سارے معاملات کے پیچھے حقیقت یہ ہے کہ پہلے تو عورت کو یہ بتانا چاہیئے تھا کہ اس طرزِ عمل کی وجہ کیا ہے۔لوگ دو طرح کی چیزوں کو چھپا کر رکھتے ہیں یا تو وہ چیز چھپائی جاتی ہے جو انتہائی خراب ہو اور انسان کو دوسروں کے سامنے شرمندہ کرے کیونکہ ہر کسی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی کمزوری، ناکامی یا بدقسمتی کسی پر ظاہر نہ ہو۔دوسری طرف بہت ہی قیمتی چیزوں کو بھی چھپا چھپا کر رکھا جاتا ہے یا جب انہیں باہر نکالا جائے تو ان چیزوں کی حفاظت کا پورا انتظام کیا جاتا ہے۔خواتین کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی قیمتی چیزوں میں شمار کیا ہے۔جو طرزِ عمل ہمارے دین میں عورتوں کے معاملے میں اختیار کیا گیا ہے وہ مہذب دنیا میں شہزادیوں اور رئیس زادیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔لیکن بدقسمتی سے کچھ خواتین کی کمعلمی نے اور مزید ہمارے مذہب کے نام نہاد ٹھیکے داروں نے عورت کو دوسرا مقام دینے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ہمیں اس کا مقام گھروں میں کام کرنے والی محکوم و مظلوم یا پھر دوسری طرف آدمیوں کی خواہش کے مطابق لباس زیبِ تن کر کے اور مختلف طریقوں سے اپنی موجودگی کا احساس دلانے والی اور اپنے مقام سے گری ہوئی نظر آتی ہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ عورت جب تک اپنا مقام نہیں پہچانے گی اور اپنی ذات کے حقوق پورے نہیں کرے گی اُسے یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ آدمیوں کی اس دنیا میں اس کے دوسرے حقوق تسلیم بھی کیئے جائیں گے۔صرف کہنے کی حد تک سب مانتے ہیں کہ حقوق نسواں بھی ہیں۔پورے کرنا تو درکنار مغرب کی مہذب دنیا تو ابھی یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ حقوق نسواں کیا معنی رکھتے ہیں۔لہٰذا اگر ہم مغرب کی تقلید کریں گے تو اصل حقیقت سے مزید دور ہوتے چلے جائیں گے۔اس معاملے کا حل صرف قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ بوجھ میں ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے دین اسلام نے کس طرح اس معاملے میں ہماری مدد کی ہے۔

خواتین کے حقوق پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔قرآن پاک اور حدیث میں جگہ جگہ خواتین کے حقوق کے بارے میں احکامات آئے ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے بار بار تاکید کی ہے کہ اپنی عورتوں کا خیال رکھو، ان کی عزت وتکریم کا خاص اہتمام کرو اور ان کے ساتھ نرمی اور احترام کے ساتھ پیش آؤ۔آج کل یہ حالات ہیں کہ اگر خواتین کے حقوق کی بات کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تو مغرب زدہ ذہنیت کی باتیں ہیں۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر حقوق اسلام نے عورت کو دیئے ہیں کسی اور مذہب میں نہیں دیئے گئے۔عورت کے حقوق کے تعین میں اسلام نے چند باتوں کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

☆ ایک یہ کہ مرد کو جن چند اہم باتوں کی ذمہ داری دی گئی ہے ان کو پورا کرتے کرتے وہ کہیں عورت پر ظلم نہ کر جائے۔یعنی عورت اور مرد کے حقوق وفرائض ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔بعض باتوں کی زیادہ ذمہ داری عورت کی ہے جیسے قدرتی طور پر عورت کی ساخت اور مزاج ہی ایسا ہے کہ وہ بچوں کی پیدائش اور

تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔اسی طرح مرد کی فطرت وساخت بھی ایسی ہے کہ گھر سے باہر کے کام اور جسمانی مشقت زیادہ آسانی سے کرسکتا ہے۔اس لیے اسلام نے عورت کے نان ونفقہ کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے اور گھر کے اندر کی ذمہ داری عورت کو سونپ دی ہے۔کیونکہ وہ زیادہ احسن طریقے سے ایسا کرسکتی ہے۔لیکن عورت اور مرد دونوں کو مختلف بنانے اور مختلف ذمہ داریاں بانٹنے سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ مرد عورت سے برتر ہے یا عورت مرد سے کمتر ہے۔دونوں ایک خاص نظام کا حصہ ہیں اور مل کر ایک دوسرے کے باہمی تعاون سے مختلف کردار ادا کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ مرد آقا اور عورت اس کی لونڈی بن جائے۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ خواتین کو ایسے تمام مواقع ملنے چاہئیں جن سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی فطری صلاحیتوں کو مزید نکھار سکیں اور اپنے گھر اور معاشرے کی ترقی میں اپنے حصے کا اہم کردار بطریق احسن ادا کرسکیں۔

☆ تیسرا اہم حق یہ ہے کہ اس کے لیے ترقی اور کامیابی کے بلند سے بلند درجے تک پہنچنا ممکن ہو۔ان بنیادی حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے عورت کو جو اہمیت دی ہے اس کی مثال دنیا کے کسی اور نظام یا معاشرے میں نہیں ملتی۔اسلام نے معاشرتی طور پر عورت کو بہت حقوق دیئے ہیں۔عورت کا وراثت میں حصہ مقرر کیا گیا ہے۔باپ سے، شوہر سے، اولاد سے اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے بھی اس کو وراثت میں حصہ ملتا ہے۔اس کے علاوہ وراثت، حق مہر اور اس حصے میں جو کہ عورت کو شوہر سے ملتا ہے اس کا حق صرف اس کے پاس ہے۔اس پیسے یا جائیداد میں مداخلت کرنے کا حق نہ اس کے باپ کو حاصل ہے نا شوہر کو اور نہ کسی اور کو۔اس کے علاوہ اگر عورت ملازمت یا کاروبار کرے تب بھی وہ سب پیسہ صرف اس کا اپنا ہے۔ وہ چاہے تو کسی پر خرچ کرے چاہے تو صرف اپنے پر۔شوہر اس کے خرچے سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اتنی مستحکم ہوگئی ہے کہ اکثر اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

☆ عورت کو شوہر کے انتخاب کا پورا پورا حق دیا گیا ہے۔اس کی مرضی کے بغیر کوئی شخص اس کا نکاح نہیں کرسکتا۔اگر عورت کو اپنا شوہر ناپسند ہو یا وہ اس پر کسی قسم کا ظلم کر رہا ہو یا اس کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو عورت کو خلع کا حق بھی حاصل ہے۔اس فیصلے کے لیے بھی عورت، مرد کی رضامندی کی محتاج نہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ لطف ومہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں۔" (متفق علیہ)

خواتین کو دینی اور دنیاوی علم سیکھنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتیں تھیں۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور خصوصاً حضرت عائشہؓ نہ صرف عورتوں کی بلکہ مردوں کی بھی معلّمہ تھیں اور بڑے بڑے صحابہؓ ان سے حدیث، تفسیر اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے عورت سے برتاؤ میں نرمی کی بطور خاص تاکید کی ہے۔ ایک مرتبہ ایک ساربان نے اونٹ کو دوڑایا جس پر خواتین سوار تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ٹوکا اور فرمایا:

'' دھیان سے چلو تمہارے ساتھ کچھ آبگینے بھی ہیں۔ '' (متفق علیہ)

یعنی عورت کی نرمی اور نزاکت کو حضور اکرم ﷺ نے آبگینے سے تشبیہ دی ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اسلام کی حقیقی روح کو سمجھیں اور خواتین کے حقوق کا خاص خیال رکھیں۔ اسی طرح ہی اہم اللہ کے آگے سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ہمیں ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہیئے جس میں خواتین کے حقوق کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہو۔ خواتین کو معاشی، معاشرتی، قانونی اور تعلیمی سب حقوق حاصل ہوں کسی قسم کا استحصال نہ ہو اور نہ ہی کسی عورت کے حقوق پامال ہوں۔

☆ _____ ☆

مردوں کے حقوق

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ حقوقِ نسواں کے موضوع پر توجہ دی گئی ہے جبکہ مرد حضرات کے حقوق کے سلسلے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لئے کیا حقوق وضع کئے ہیں۔

'' مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ '' (2: 228)

اور اسی طرح فرمایا:

'' مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جو نیک بیویاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور اُن کے پیٹھ پیچھے سے خدا کی حفاظت میں خبرداری کرتی ہیں۔ '' (4: 34)

یہی وہ بنیادی حقوق ہیں جن کے گرد مرد حضرات کی زندگی گھومتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ خواتین کے سلسلے میں جو ہدایات ہمیں ملتی ہیں وہ بے شمار ہیں اور اُن میں مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس کے برعکس مردوں کی زندگی کا محور گھر بنانے' بسانے اور پھر اُس کو کامیابی سے چلانے کے گرد گھومتا ہے۔ آیئے اسی پہلو کو لے کر آگے بڑھتے ہیں۔

عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں ہم نے یہ طے کیا تھا کہ حقوق کا براہ راست تعلق فرائض سے ہوتا ہے۔ یہی وہ اصل وجہ ہے کہ لوگوں کو اپنے حقوق پورے ہوتے نظر نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اوپر کی آیات میں واضح کیا ہے کہ مرد قوام ہیں یعنی گھر والوں کی ذمہ داری مکمل طور پر اُٹھانے کے لئے اُن کو بلند درجہ دیا گیا ہے۔ چونکہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اُن کی بیویاں بھی ان کے گھروں کی دیکھ بھال اور رکھوالی کرتی ہیں۔ یعنی درجہ بلند رکھنے کی ایک شرط اپنا مال خرچ کرنا ہے۔ جبکہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ مرد چاہے بیٹا یا بھائی ہی ہو اور کچھ دینے کے قابل بھی نہ ہو رعب اس بات کا ڈالا جاتا ہے کہ وہ مرد ہے۔ اسلام نے انسان کو مہذب بنانے کی کوشش کی ہے اور یہ کوشش حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک جاری ہے۔ قرآن و حدیث وہ حتمی فیصلہ ہے جو انسان کو تہذیب کی بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ جہاں قرآن و حدیث کے راستے سے ہٹ کر کچھ کام کرنے کی کوشش کی جائے وہاں تباہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ آج دنیا گھوم پھر کر وہی Back to Basics کا نعرہ لگا رہی ہے۔ صرف چودہ سو سال کے عرصے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دنیا بنانے والا خدا اس دنیا کو چلانے کا بہترین طریقہ وضع کر چکا ہے اور ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو بہترین نتائج کا حامل ہے۔

اس پختہ ایمان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہی ہمارے سوالوں کا جواب موجود ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ لفظ قوام کے کیا معنی ہیں؟ 'قوام' لفظ جو مرد کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہ محافظ اور ذمہ دار کے لئے ہے۔ بعض حالات میں آدمی کمانے کے قابل نہ بھی رہے تو بھی عورت کے سر پر محافظ بن کر رہنا عورت کے لئے بہت تحفظ کا احساس مہیا کرتا ہے۔ پھر بھی یہ رول آدمی کے درجے کو بلند رکھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جبکہ قوام کے لفظ میں محافظ کے معانی بھی آتے ہیں مگر اس رول کو واضح کرنے کے لئے مال خرچ کرنے کی شرط عائد کی گئی ہے۔ جبکہ گھروں کی حفاظت کا ذمہ تو بیویوں کو قرار دیا گیا۔ یعنی خواتین کی تمام ضروریات خاوند کے ذمے ہیں تا کہ وہ کمانے کے لئے گھر سے نکلنے پر مجبور نہ ہوں اور گھروں کی رکھوالی مناسب انداز میں کر سکیں۔ کیونکہ قرآن کے مطابق یہ بتانے کے بعد کہ مرد قوام ہیں اُس کی وجہ بھی بتا دی گئی ہے۔ مرد اگر قوام کہلانے کے قابل ہو تو یہ اُس کا حق ہے کہ اُس کی سربراہی کو قبول کیا جائے۔ اس لحاظ سے اگر میاں بیوی دونوں کمانے والے بھی ہوں تو تب بھی مرد ہی قوام ٹھہرایا جائے گا کیونکہ وہ کمانے کا پابند ہے جبکہ عورت اپنی مرضی سے کما سکتی ہے۔ اسلام کی رو سے تو عورت کمانے کے باوجود گھر کی ذمہ داریوں سے خارج رکھی گئی ہے۔ لہٰذا کمانے کے باوجود اس کا قوام کہلانا بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ آج کل مغرب کے فرسودہ نظام کی تقلید کرتے کرتے ہمارا معاشرہ عجیب سی کشمکش کا شکار نظر آتا ہے۔ قرآن وسنت سے دوری نے ہماری سوچوں کو مبہم کر کے رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ عورت اور نہ ہی مرد اپنی حیثیت پہچان سکے ہیں۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ جس طرح بعض خواتین اپنے حقوق نہ ملنے کی وجہ سے نہایت miserable زندگی گزارتی ہیں اسی طرح مرد اپنے حقوق پورے نہ ہونے پر بُرا محسوس کرتے ہیں لیکن اُن کے اظہار کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ ان کی انا اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ دوسروں کے سامنے روئیں دھوئیں لہٰذا وہ اس کمی کو بعض اوقات مختلف طریقوں سے عورتوں کو تنگ کر کے یا پھر خاموش طرزِ زندگی اختیار کر کے کرتے ہیں۔ اکثر مرد غلط طرزِ زندگی اپنانا بھی اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بُرائی کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی چاہے وہ مرد کرے یا عورت۔ یہ طے ہے کہ کسی کو اس طرح کا طرزِ زندگی گزارنے کا حق نہیں ہے جس سے کسی دوسرے کا نقصان ہونے کا اندیشہ ہو۔ لہٰذا اس دنیا کو چلانے کے لئے جتنے حقوق مردوں کے ہیں اتنے ہی حقوق عورتوں کے لئے بھی ہیں۔ یہی صورتِ حال فرائض کی بھی ہے فرق ہے تو صرف ان حقوق وفرائض کی نوعیت کا ہے۔

خواتین کے حقوق کا معاملہ بہت حساس (Sensitive) سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی اقدار قدیم ترین غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔ اس طرح آدمیوں کے حقوق' ان کے احساسات اور ان کی نفسیات پسِ پشت ڈال دی گئیں۔ حالانکہ قرآن وحدیث نے جگہ جگہ ان موضوعات سے متعلق بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے یہ ایک ایسا طرزِ زندگی ہے جو کہ انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرماتا ہے تو وہ بھی ہماری فطرت اور خواہش کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہماری سوچ محدود ہو یا ماحول کا اثر ہمیں یہ

بات تسلیم کرنے سے روکے رکھے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ پختہ ایمان ہونا چاہیئے کہ قرآن عورتوں اور مردوں کے بارے میں غیر جانبدارانہ رویہ رکھتا ہے اس معاملے کو سمجھنے کے لئے قرآن کی مندرجہ بالا آیات ہی لے لیتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اگر ہم اس آیت کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ تو صاف ظاہر ہوگا کہ یہ آیت جس طرح مردوں کے حقوق و فرائض کی ترجمانی کرتی ہے یہ عورتوں کے لئے بھی بے شمار فوائد لے کر آتی ہے۔ لیکن اکثر اردو ترجمے کے قرآن میں قوام کا غلط مطلب دیکر اس کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً قوام کا معنی قوی، حاکم، مسلط اور حکمران اور نا جانے کیا کیا بتایا گیا ہے جو کہ یقیناً غلط ہے۔ اِن الفاظ کے استعمال سے عورتیں ہتک محسوس کرتی ہیں۔ حالانکہ دیکھا جائے تو جب عورتیں مردوں کو قوام تسلیم کر لیں تو بہت ساری ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاتی ہیں۔ مرد ذمہ داری کا تاج پہن کر اپنا مقام اونچا محسوس کرتا ہے اور اپنے عہدے کے مطابق رویہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور عورت بھی مرد کو اپنا محافظ، نگہبان اور اُس کو اپنی ضرورتوں کا خیال رکھنے والا پا کر اس دنیا میں ہی جنت کا مزہ اٹھاتی ہے۔ اور یہ سب نہ مرد کا عورت پر احسان ہے اور نہ عورت کا مرد پر بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی ہے جس کے نتیجے میں انسان اس دنیا میں بھی کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے اور آخرت میں بھی پاک پروردگار کے سامنے سرخرو ہوسکتا ہے۔ اِن نقاط کی وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ اگر ہم کوئی معاملہ بغیر اس کا جائزہ لئے حل کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ مسائل کبھی حل نہیں ہونگے۔ انسان کو زیر بحث لانا اور اس کی نفسیات کو اس کی شخصیت سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرنا یقیناً ایک ناکام طریقہ کار ثابت ہوا ہے۔ مردوں کے حقوق کا چرچا کرنے کا فائدہ تبھی ہو گا جب عورتوں کو بھی معلوم ہو کہ اس میں ان کے لئے کیا کیا فوائد چھپے ہیں۔ ریسرچ کے مطابق اگر ہم ان معاملات کی تہہ تک پہنچ سکیں اور یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت لامحدود ہے۔ اُس کے بنائے ہوئے نظام میں یہ خاصیت ہے کہ کسی ایک کے فائدے میں دوسرے کا نقصان نہیں ہے بلکہ سب کا فائدہ ہی ہے۔ جب لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں مردوں کے لئے زیادہ حقوق ہیں تو وہ محدود سوچ کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کے لئے قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ مردوں کو خوبصورت حوریں ملیں گی۔ حضرت ابودرداءؓ اور ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

"ادنیٰ درجے کے جنتی کے پاس اسی ہزار خادم ہونگے اور بہتر (72) بیویاں ہونگی۔"

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ابوالعلیٰ کی ایک روایت ہے کہ دو بیویاں بنی آدم سے ہونگی اور بہتر بیویاں وہ ہونگی جن کی تخلیق اللہ تعالیٰ

(اس عالم میں) فرمائیں گے۔

اکثر اوقات اس طرح کی کوئی آیت یا حدیث لے کر خواتین اسلام سے منحرف ہو جاتی ہیں اور اپنا ہی نقصان کر بیٹھتی ہیں۔ مردوں کے حقوق بہر حال اپنا ٹھوس جواز رکھتے ہیں اور ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مردوں کے حقوق کے سلسلے میں سارے معاملات کو بہت آسانی سے سمجھنے کے لئے نبی پاک ﷺ کی ایک حدیث پیش کی جا سکتی ہے جو نہایت آسان اور سادہ طرز پر مردوں کے حقوق کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

> " مومن کے لئے خوفِ خدا کے بعد سب سے زیادہ مفید اور باعثِ خیر نعمت نیک بیوی ہے کہ جب وہ اس سے کسی کام کو کہے تو وہ خوش دلی سے انجام دے اور جب وہ اس پر نگاہ ڈالے تو اس کو خوش کر دے اور جب وہ اس کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اس قسم کو پوری کر دے اور جب وہ کہیں چلا جائے تو اس کے پیچھے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی میں شوہر کی خیر خواہ اور وفادار رہے۔ " (ابنِ ماجہ)

یعنی آدمی کا یہ حق ہے کہ جب وہ باہر سے تھک کر شام کو گھر واپس آئے تو اُسے ایسا ماحول میسر ہو جس میں وہ ہلکا پھلکا محسوس کرے اور اس کی سارے دن کی تھکان دور ہو جائے۔ اگر وہ کھانے کا شوقین ہے تو اُسے اچھی طرح کھانا پیش کیا جائے' اگر وہ باہر جانے کا شوقین ہے تو اُس کی بیوی سارا دن باہر رہنے کی وجہ سے اتنی تھکی ہوئی نہ ہو کہ دوبارہ باہر جانے کا سن کر منہ بنا لے۔ دوسری طرف اگر خاوند کی طبیعت ایسی ہو کہ وہ ایک بار گھر آنے کے بعد دوبارہ کہیں نہ جانا پسند کرے تو اگر بیوی بچے تیار ہو کر بیٹھے رہیں کہ میاں صاحب آئیں گے تو فلاں جگہ جانا ہے' اس طرح کے حالات اکثر بدمزگی کا باعث بنتے ہیں۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس ایک حدیث کے اندر بہت سارے سوالات کا جواب موجود ہے بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ مردوں کے حقوق کی تمام فلاسفی اس حدیث کے اندر موجود ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ زیادہ تر خواتین گھروں کو سنبھالتی ہیں اس لئے باہر کی تلخ زندگی سے واقف نہیں ہوتی ہیں۔ اسلام نے چاہے عورتوں کا گھر میں رہنا ہی پسند کیا ہے لیکن کم علم یا فہم و فراست سے پیدل رہنا تو پسند نہیں کیا۔ گھروں میں رہ کر تو وہ مردوں سے زیادہ علم حاصل کر سکتی ہیں' مرد تو کمانے پر لگے ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلے دیکھا ہے کہ قرآن کے ترجمے کو توڑ مروڑ کر مرد حضرات نے عورتوں سے جوانا کی جنگ چھیڑ لی ہے اُس میں نقصان بھی وہ خود ہی اٹھا رہے ہیں۔ اس طرح اگر وہ عورتوں کے نگہبان ہونے کے باوجود ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دیں تو آخر میں نقصان بھی ان کا ہی ہوگا۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اس حقیقت کو جان لیں کہ مردوں کے حقوق تب ہی پورے ہونگے

جب عورتیں اپنے فرائض پورے کرسکیں گی۔لہٰذا ہمیں اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لئے معاملات کی تہہ تک پہنچنا ہوگا۔مردوں کے حقوق کے سلسلے میں ایک اہم پہلو اُن کی جسمانی ضروریات کا ہے۔جو آیات اور احادیث ہم ابھی تک دیکھ چکے ہیں اُن میں یہ پیغام بہت واضح طور پر موجود ہے کہ مرد کا یہ حق ہے کہ اُس کی جسمانی ضروریات کی ذمہ داری اُس کی بیوی اُٹھائے' بالکل جس طرح کمانے کی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے۔مرد کو یہ نہیں کہا گیا کہ تمہیں جتنا پسند ہوا تنا کما لینا اور بیوی کو کہہ دینا بس اتنا ہی ہے۔ہرگز نہیں' مرد پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنی ہمت کے مطابق اپنے گھر والوں کی کفالت اچھے طریقے سے کرے نہ کہ اپنی مرضی کے مطابق۔اسی طرح جہاد کے سلسلے میں دیکھ لیں مرد کو یہ گنجائش نہیں دی گئی کہ اُس کا دل کیا کہتا ہے۔اس طرح تو کسی کا بھی دل نہیں چاہے گا کہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکل کھڑا ہو۔اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو چلانے کے لئے جو طریقہ کار وضع کیا ہے وہ ہماری یا آپ کی مرضی کا نہ بھی ہو لیکن بہترین تو ہے' یہی ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ایک آدمی کی زندگی میں کتنے دن آئے ہونگے جب باہر کی سختیاں جو روزی کمانے کے سلسلے میں اُسے اٹھانی پڑتی ہیں برداشت کرنے سے وہ تھک جاتا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ کاش مجھے یہ کچھ نہ کرنا پڑے۔اسی طرح ایک بیوی کی زندگی میں بھی یہ دن آسکتے ہیں کہ اُسے اپنے فرائض پورے کرنے میں دقت محسوس ہو رہی ہو تو اُس وقت عورت کو یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر میرا خاوند کام چھوڑ کر بیٹھ جائے تو گھر کیسے چلے گا۔حلال رزق کمانا آدمیوں کا لئے اس دنیا میں بہت تکلیفیں اور پریشانیاں لے کر آتا ہے لیکن پھر بھی غور کریں تو آدمیوں نے یہ ذمہ داری اُٹھائی ہے۔وہ تو یہ رونا نہیں روتے کہ ہمیں اس مصیبت میں کیوں ڈالا گیا یا یہ کہ اس مشکل میں بیویوں کو ہمارا ساتھ دینا چاہیئے تھا۔اللہ تعالیٰ نے مردوں کو مشکل میں ڈال کر امتیازی سلوک کا مظاہرہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔بہرحال عورتوں کو یہ رونا روتے ضرور دیکھا گیا ہے کہ یہ کوئی مصیبت ہم پر ڈال دی گئی ہے کہ ہم خاوندوں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔بہت سے گھر اسی غلط سوچ کی وجہ سے ٹوٹتے ہیں۔بہرحال یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جو فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر ڈالے گئے ہیں وہ ہر حال میں یعنی (دل چاہے یا نہ چاہے) پورے کرنے ہیں۔اگر خوشی سے پورے کریں گے تو آسانی رہے گی ورنہ اس میں ہمارا اپنا ہی نقصان ہوگا۔مردوں کے حقوق کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری کے لئے بلائے اور وہ نہ آئے۔اور اس وجہ سے خاوند رات بھر اس پر خفا رہے تو ایسی عورت پر فرشتے صبح تک لعنت بھیجتے ہیں۔''

(بخاری' مسلم' ابوداؤد)

ہمارے اردگرد جو ایک غلط سا ماحول بن گیا ہے اُس کی وجہ تو مغربی میڈیا ہے جس نے عورتوں کا دماغ خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور دوسری طرف بچوں کی صحیح تربیت مقصود ہے۔ لڑکے تو شروع دن ہی سے جانتے ہیں کہ ان کا کام کمانے کا ہوگا۔ بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو صرف سمجھائی جا سکتی ہیں لیکن لڑکیوں کی تربیت نہ صرف یہ کہ صحیح نہیں کی جاتی بلکہ اکثر اوقات غلط اندازِ سوچ دے کر اُن پر سے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی توقع کی جاتی ہے جو کہ ممکن نہیں ہے۔ خاوند اور بیوی دونوں اپنی اپنی جگہ اپنی ذمہ داریاں نبھا کر ہی ایک گھر کو جنت کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں مردوں کے کیا حقوق ہیں۔

- مردوں کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ انہیں گھر کے سربراہ کے طور پر تسلیم کیا جائے یعنی جب تک وہ اپنے خاندان کی کفالت کرنے کے لئے محنت کریں گے تو ان کا یہ حق ہے کہ ایک خاندان کے اندر انہیں وہ مقام دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔
- مردوں کا یہ حق ہے کہ جب وہ گھر سے دور محنت ومشقت سے روزی روٹی کمانے جائیں تو پیچھے سے ان کے گھر محفوظ ہوں اور ان کی خواہش کے مطابق چل رہے ہوں۔ جب ہی تو وہ دل لگا کر اپنا کام کر سکیں گے۔
- مردوں کا یہ حق ہے کہ کوئی شخص جو ان کو ناپسند ہو چاہے وہ بیوی کا باپ یا بھائی ہی ہو اُس کے پیچھے سے گھر میں نہ آئیں۔ ایسے لوگوں کو خاوند کے ہوتے ہوئے اپنی بیٹی یا بہن سے ملنے آنا چاہیئے۔
- مردوں کا یہ بھی حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے لئے بیان کیا ہے اُسے پورے طریقے سے تسلیم کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں مین میخ نکالنے کی بجائے اپنے علم کو بڑھانے اور دماغوں کو وسیع کرنے کی کوشش کی جائے۔
- مردوں کا یہ بنیادی حق ہے کہ جب وہ ایک گھر بنا لیں تو اُس گھر میں اُس کی ہر طرح کی ضروریات (نفسیاتی اور جسمانی) پوری ہوں۔

میاں بیوی ایک گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ دونوں کا ہر لحاظ سے برابر ہونا اور ایک رخ میں چلنا لازمی ہے نہیں تو گھر کی گاڑی چل نہیں پائے گی۔ ہمیں یہ بحث چھوڑ دینی چاہیئے کہ گاڑی کا اگلہ پہیہ کون سا ہے اور پچھلا کون سا کیونکہ گاڑی کو ایک سمت میں ٹھیک طرح سے چلانے کے لئے تو بہر حال دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم یہ سوچیں کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں یا نہیں بلکہ ہمیں اپنی توجہ اس طرف مبذول کرنی چاہیئے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق وفرائض کیا ہیں اور ہم ان حقوق وفرائض کو بخوبی طور پر پورا کرنے کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

☆ _____ ☆

بیٹیوں کے حقوق

ویسے تو اولاد چاہے بیٹا ہو یا بیٹی دونوں ہی بہت عزیز ہوتے ہیں لیکن دونوں سے پیار کرنے کا انداز اور ان کے جذبات مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح دونوں کی تربیت کے لیے چند ضروری باتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مختلف احادیث سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی بیٹیوں کی صحیح تربیت اور نرم سلوک پر بہت زور دیا ہے۔

بیٹی یعنی لڑکی ذات جذباتی اور نازک احساسات رکھتی ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام نے عورت ذات کو سب مذاہب سے زیادہ حقوق دیے ہیں۔ صحیح دین کا مطالعہ اور حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا بغور جائزہ لیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ بچوں اور عورت ذات کے لیے کس قدر زیادہ شفیق تھے۔ بعض معاملات میں تو عورت کو اتنے حقوق ملے ہیں کہ مرد کے مقابلے میں اس کا پلہ بھاری دکھائی دیتا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو تمام انسانیت کیلئے خوشخبری بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ جاہلیت کے تمام فرسودہ خیالات اور قوانین کو نیست و نابود کرنے کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے۔ آج ہم نے وہ سب باتیں بھلا دی ہیں۔ ہم آج اپنی بچیوں' بہنوں اور عورت کے ساتھ وہ سب کچھ کر رہے ہیں جس کی اللہ اور رسول اکرم ﷺ نے سختی سے ممانعت کی ہے اور ہمیں اس بات کا کوئی ڈر نہیں کہ ہم سے کس قدر سخت پوچھ ہوگی۔

ہم میں اور عرب جاہلیت کے دور کے لوگوں میں بس اتنا سا فرق ہے کہ وہ لوگ بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے' ہم آج کل ان کو روحانی اور نفسیاتی موت مار رہے ہیں جو کہ بدترین موت ہے۔ ہمیں اس کے جذبات' اس کے احساسات کا کوئی خیال نہیں۔ ہم اس کی تعلیم و تربیت صرف اپنی سوچ اور ذہنیت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ ہمیں بیٹی کے ساتھ کیسا رویہ اور سلوک رکھنا چاہیئے؟ ایسی کیا باتیں ہیں جو کہ خاص طور پر بیٹی کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کے لیے بہت ضروری ہیں؟

☆ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بیٹی اور بیٹے میں کوئی فرق نہیں رکھنا چاہیئے دونوں آپ کی اولاد ہیں۔ یہ ہماری ناسمجھی ہے کہ بیٹے کو بیٹی پر فوقیت دیتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ بیٹے سے جو توقعات آپ نے وابستہ کر رکھی ہیں وہ ان پر پورا اترے۔ اسی طرح بیٹی کو جن وجوہات کی بنا پر آپ بوجھ سمجھتے ہیں وہ سراسر بے معنی اور فضول ہیں۔ دونوں کی قسمت بنانے والا خدا ہے۔ ضروری نہیں کہ بیٹی کی قسمت خراب ہو تو ماں باپ کو دکھ پہنچے۔ بیٹیوں کے ساتھ بھی بہت مسائل پیش آ سکتے ہیں اور ماں باپ کو اسی طرح دکھ ہوتا ہے۔

☆ بیٹے اور بیٹی کے رہن سہن، کھانے پینے، تعلیم و تربیت اور تفریح میں ہرگز فرق نہ رکھیں۔ بعض گھرانوں میں بیٹیوں کو پہلے کھانا دیا جاتا ہے اور زیادہ اچھا کھانا بیٹوں کے لیے اور گھر کے مردوں کے لیے رکھ لیا جاتا ہے۔ بیٹیاں اور بیوی بعد میں بچا کھچا کھانا کھاتی ہیں۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ مردوں نے محنت اور مشقت کے کام کرنے ہوتے ہیں تو ان کو بہتر خوراک ملنی چاہیئے، یہ بالکل غلط بات ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ نے کہیں نہیں فرمایا کہ بیٹے اور بیٹی میں فرق رکھو۔ بیٹی کو بھی اسی خوراک، تعلیم اور تفریح کی ضرورت ہے جیسی کہ بیٹے کو بلکہ سوچا جائے تو بیٹی کو زیادہ اچھی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کے جسم کی مناسب نشوونما ہوگی قد لمبا ہوگا تب ہی وہ کل کو صحت مند نسل پیدا کرنے کے قابل ہوگی۔

☆ بیٹی کا یہ حق ہے کہ آپ اس کی پیدائش پر بھی خدا کا اتنا ہی شکر ادا کریں اور اتنی ہی خوشی محسوس کریں جتنی کہ بیٹے کی پیدائش پر کرتے ہیں۔ یہ صرف ہمارے معاشرے اور اردگرد کے ماحول کا اثر ہے کہ ہم نے بیٹے اور بیٹیوں کو فرق سمجھ کر الگ الگ خانوں میں ڈال کر رکھ دیا ہے ورنہ سوچا جائے تو دونوں کے ساتھ ایک جتنی ہی جان کھپانا پڑتی ہے۔ ان لوگوں سے پوچھیں جو اولاد کے لیے ترستے ہیں کہ بیٹی کیا چیز ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے بیٹی کو اللہ کی رحمت قرار دیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

"جس شخص نے تین بیٹیوں کی اچھی پرورش کی اور اچھے طریقے سے ان کو بیاہ دیا تو وہ شخص جنتی ہوگا۔"

صحابہؓ نے پوچھا اگر کسی کی دو بیٹیاں ہوں تب تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔"

(بغاوی)

☆ شفقت و نرمی بیٹے اور بیٹی دونوں کے لیے ضروری ہے بیٹی قدرتی طور پر زیادہ نرم و نازک جذبے رکھتی ہے۔ اس لیے اس سے اسی لحاظ سے سلوک رکھنا چاہیئے۔ بیٹی کو سختی سے مت ڈانٹیں اور ہرگز نہ ماریں۔ اس کا ننھا سا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ لڑکے تو گھر سے باہر نکل کر دوستوں وغیرہ میں رہ کر ذرا مضبوط ہو جاتے ہیں لیکن بیٹیاں کیوں کہ گھر میں زیادہ رہتی ہیں اس لیے گھر کا ماحول ان پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر گھر کے ماحول میں ضرورت سے زیادہ سختی اور پابندیاں ہوں تو بیٹیاں خاص طور پر گھٹن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ گھر کا ماحول ایسا ہونا چاہیئے کہ بچیاں پرسکون اور مطمئن ہوں۔

☆ تعلیم، کھیل اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے بیٹے اور بیٹی کو ایک جیسے مواقع ملنے چاہئیں۔

☆ یادرکھیئے! بیٹی آپ کے گھر اللہ کی امانت ہے۔ آپ پر فرض ہے کہ آپ ان کی اچھی تربیت توجہ اور پیار میں کوئی کمی نہ رکھیں۔ ان کو ایسا ماحول فراہم کریں کہ ان کی بہترین صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں۔ ان سے باتیں کریں، تبادلہ خیالات کریں ان کے مسائل سنیں۔ ان کی شکایات دور کریں۔

☆ بہت ساری لڑکیوں کو ماں باپ سے شکایت ہوتی ہے کہ وہ ان کو باہر آنے جانے پر پابندی لگاتے ہیں اور ان کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے مستقبل کے فیصلے کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی جیسے تعلیم، کیریئر اور شادی وغیرہ۔

یہاں پر یہ ضرور ذہن میں رکھیے کہ اگر آپ کسی چیز کو اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتے تو سختی سے پابندی لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ایسا کرنے سے ان کے دل میں غصہ، رنج اور احساسِ محرومی پیدا ہونے لگتا ہے۔ صحت مند رویہ یہ ہے کہ آپ ان کو اپنی رائے اور دلی جذبات کے اظہار کے لیے حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ کھل کر آزادی سے آپ سے اپنے دل کی باتیں کر سکیں۔ پھر ان کے فائدے کی بات پیار، شفقت اور سخت لیکن دھیمے لہجے میں کہیں۔ اپنی پوری بات سمجھا دیں تاکہ بیٹی آپ کو غلط نہ سمجھے یا اس کے دل میں کوئی منفی جذبہ نہ جنم لے۔ کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اپنے دل کے اندر جھانکیں اور انصاف کریں۔ یہ مت سوچیں کہ معاشرہ کیا کہے گا یا لوگ کیا کہیں گے کیونکہ ہمیں اپنے لیے جینا ہے لوگوں کے لیے نہیں۔ ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کو راضی رکھنا ہے ساری دنیا کو آپ خوش نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنی بیٹی کے لیے کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت یہ یاد رکھیئے کہ اس کی شخصیت پر کوئی منفی اثر نہ پڑے۔ ان اہم فیصلوں کے لیے آپ کو اللہ کے یہاں جواب دہ ہونا ہوگا۔

☆ خاص طور پر شادی کے موقع پر عام طور پر ہمارے یہاں بیٹی سے بالکل نہیں پوچھا جاتا۔ ماں باپ اپنی مرضی اور سمجھ کے مطابق اس کے حق میں صحیح یا غلط فیصلہ کر دیتے ہیں جو کہ کسی نہ کسی صورت اس کو نبھانا پڑتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ماں باپ بیٹی کے لیے صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے یا بیٹی ان سے زیادہ سمجھدار ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ماں باپ زندگی کے تجربوں، مشاہدوں اور اپنی سوجھ بوجھ کی بنیاد پر صحیح فیصلہ ہی کرتے ہیں۔ لیکن بعض مرتبہ اپنی بیٹی کی پسند یا طبیعت کے رجحان کو مدِ نظر نہیں رکھتے۔ اس طرح شادی تو کسی نہ کسی طریقے سے ہو ہی جاتی ہے لیکن بعد میں بہت مسائل سامنے آسکتے ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ نے بھی شادی کے لیے بیٹی کی خواہش اور پسند پوچھنے کے بارے میں بہت زور دیا ہے لیکن اس بات کو ہم نے بھلا دیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس میں کتنی مصلحت ہے۔ آج کے دور میں ازدواجی زندگی کے بے شمار مسائل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اولاد کو ان کی زندگی کے اہم ترین فیصلے کرنے کی آزادی نہیں دیتے۔ بے جا پابندیوں نے نوجوان نسل کو بے چینی، بے سکونی، مایوسی، اضطراب اور بے راہ روی کے رستے پر ڈال دیا ہے۔

☆ بیٹی کی مناسب سیر و تفریح، کھیل کود اور ذہنی نشوونما کا ضرور اہتمام کریں۔ آپ کو وہ واقعہ تو یاد ہوگا جب حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہؓ سے نکاح کے بعد ابوبکر صدیقؓ کے یہاں جایا کرتے تھے تو بی بی عائشہؓ اپنی گڑیوں سے کھیل رہی ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جایا کرتے تھے اور دلچسپ سوالات پوچھا کرتے تھے۔

☆ اسی طرح ایک مرتبہ ایک صحابی حضورِ اکرم ﷺ سے زمانہ جاہلیت کے قصے بیان کر رہا تھا۔ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی چھوٹی سی تھی اور جب وہ اس کو زمین میں گاڑنے کے لیے مٹی کھود رہا تھا تو بچی بار بار اس کے کپڑوں سے مٹی جھاڑ رہی تھی اور اس کو پیار کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ جب اس نے بچی کو گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈالنا شروع کی تو بچی بابا بابا کہہ کر پکارنے لگی لیکن اس کو رحم نہ آیا۔
حضور اکرم ﷺ نے جب یہ واقعہ سنا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ ''تم نے بڑا ظلم کیا۔''

☆ اپنی بیٹی حضرت بی بی فاطمہؓ سے آپ ﷺ کو اس قدر پیار تھا کہ جس کی حد نہیں۔ جس بات کے لیے بی بی فاطمہؓ سفارش کر دیتیں حضور اکرم ﷺ ضرور مان جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ازواجِ مطہرات بھی اپنی باتیں بی بی فاطمہؓ کے ذریعے حضور اکرم ﷺ تک پہنچایا کرتی تھیں اور ان سے سفارش کرواتی تھیں۔

☆ بی بی فاطمہؓ سے شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ ان کو اپنی جان کہا کرتے تھے۔ جب آپ حضور اکرم ﷺ سے ملنے کے لیے تشریف لاتی تھیں تو آپ ﷺ تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ماتھا چومتے اور ان کے لیے فرش پر اپنی اوڑھی ہوئی چادر بچھا دیتے تھے۔

کس قدر دکھ کا مقام ہے کہ اللہ کی عزیز ترین ہستی یعنی حضور اکرم ﷺ تو اپنی بیٹی کو لختِ جگر کا درجہ دیں اور ایسی عزت و تعظیم دیں اور ہم بیٹی کو بوجھ سمجھیں۔

بیٹی کو گھر کا ایک اہم فرد سمجھیں اور گھر کے اہم فیصلے کرتے وقت اس سے بھی مشورہ ضرور لیں۔ یہ کبھی مت سمجھیں کہ اس کو عقل نہیں یا اس کو دنیا کی خبر نہیں' وہ بھی سمجھدار اور باشعور ہے۔ اس کو بھی اپنی الگ رائے رکھنے اور استعمال کرنے کا حق ہے۔

☆ گھر کے کام کاج کے حوالے سے ایک اہم بات یاد رکھیئے اور وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے خود گھر کے سب کام کر کے اور ازواجِ مطہرات کی مدد کروا کے یہ ثابت کر دیا کہ عورت ذات چاہے بیوی ہو یا بیٹی اس کی مدد کروانے میں کسی قسم کا کوئی عار نہیں' کوئی جھجک یا شرم نہیں ہونی چاہیئے یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں۔

☆ بیٹی اور بیٹوں سے توقع کریں کہ وہ گھر کے کام کاج میں مدد کریں۔ یہ نہایت غلط بات ہے کہ بیٹی سارے گھر کے کام کاج کرے اور بیٹے کے لیے گھر کے کام میں مدد کرنا اس کے لیے عار ہو جائے۔ اور تو اور ہمارے معاشرے میں تو گھر کے مردوں اور بھائیوں کے سب کام جیسے کپڑے دھونا' استری کرنا' کھانا لگانا' برتن اٹھانا اور دھونا' کمرہ صاف کرنا سب بیٹی یا ماں کی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط بات ہے' بیٹے اور بیٹی دونوں کو مل جل کر گھر کے کاموں میں بھی دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے۔

ایک اور غلط رواج ہمارے یہاں عام ہے کہ بیٹوں کے سب ذاتی کام بھی بیٹیوں سے کروائے جاتے ہیں۔ جیسے بھائی کے کپڑے دھو دو' کپڑے استری کر دو' بھائی کا کمرہ صاف کر دو' بھائی کو کھانا دے دو' بھائی کے لیے یہ کروں' بھائی کے لیے وہ کروں۔ کبھی آپ نے بھائی یعنی بیٹے کو بھی کہا کہ بہن کا ہاتھ بٹا دو؟ یا یہ کہ اپنے کام خود کرو۔

یہ ہمارے معاشرے میں غلط روایات پیدا ہو گئی ہیں۔ ہم سب کو مل کر سوچنا چاہیئے کہ کیا رویہ صحیح ہے اور کیا غلط۔ اس سوچ کو بدلنا ہوگا کہ بیٹا کوئی انوکھی چیز ہے اور بیٹی عام یا حقیر شے۔ یاد رکھیئے! دونوں کے بیٹا ہو یا بیٹی بنیادی حقوق ایک جیسے ہیں آپ بھی ان میں تفریق نہ کیجئے۔

☆ ایک بات کا خیال رہے کہ نرمی اور شفقت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ بیٹی کو خودسر اور بدتمیز بنا دیں۔ غلط بات پر روکنا اور ڈانٹنا تربیت کا ایک اہم حصہ ہے ایک حد سے زیادہ آزادی بیٹے یا بیٹی دونوں کے لیے اچھی نہیں ہے۔

☆ یہ بات بھی یاد رہے کہ آپ نے بیٹی کو سدا اپنے پاس نہیں رکھنا اس لیے اس کی تربیت اور پرورش کرتے وقت خیال رہے کہ اسے آپ نے ایک دن بیاہ کر کے رخصت کر دینا ہے۔ اس کی تربیت ایسے

طریقے سے کرنی چاہیئے کہ وہ نئے ماحول میں ڈھل سکے اور اہم ذمہ داریوں سے اچھی طرح سے نبرد آزما ہو سکے۔

☆ کوشش کیجئے کہ اس کے اندر صبر، برداشت، ہمت، حوصلہ دوسرے کے جذبات کا احترام اور طبیعت میں ٹھہراؤ ہوتا کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی اگر مشکل وقت آئے تو حوصلے اور ہمت سے وہ اس آزمائش میں پورا اتر سکے۔

☆ _____ ☆

رشتہ داروں کے حقوق

صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں سے نیک سلوک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ ہدایات دی ہیں۔اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بھی بطورِ خاص رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور محبت رکھنے پر زور دیا ہے اور قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے تعلق توڑنے کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔

'' خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ ''

(16: 90)

'' اور جو لوگ تم میں سے صاحبِ فضل اور صاحبِ وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ نہیں دیں گے ان کو چاہیئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ ''

(24: 22)

دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیروں سے تعلقات اتنے برے نہیں ہوتے جتنے رشتہ داروں سے ہو جاتے ہیں۔ذرا سی بات بڑھتے بڑھتے بہت بڑا فتنہ بن جاتی ہے اور پھر اچھا سلوک تو دور کی بات سلام دعا تک بند ہو جاتی ہے۔بعض مرتبہ تو بات اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ بس اب ہمیشہ کے لیے تعلقات ختم' جیسے کوئی نیکی کا کام کیا جا رہا ہے۔

بعض لوگ تو تعلقات ختم کرنے پر فخر کا اظہار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بہت برتر' بہت بہادر اور بہت سمجھدار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ رشتہ داروں کو قابل اعتناء نہیں جانتے اور بڑے یقین سے دوسروں کو حقیر ثابت کرتے ہوئے فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ وہ تو رشتہ داروں سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے۔حالانکہ جب قرآن اور حدیث کو پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ داروں سے نا ملنا ان کی خبر گیری نہ کرنا' ان سے میل جول نہ بڑھانا اللہ اور رسول ﷺ کو کس قدر ناگوار گزرتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ :

'' کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تک قطع

تعلق کئے رکھے کہ جب دونوں ملیں ایک اِدھر کترا جائے اور دوسرا اُدھر۔ ان میں سے افضل وہ ہیں جو سلام میں پہل کرے۔ '' (الآداب المفرد)

ایک اور جگہ فرمایا:

'' اور وہ آدمی خدا کے زیادہ قریب ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔ '' (ابوداؤد)

قرآن میں جگہ جگہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

'' اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔''

(17: 26)

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک رکھنا ان کا حق ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور توجہ چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے ہم اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کریں۔ ایسا کرنا ان پر کوئی احسان نہیں ہے۔

ان آیات میں جن چیزوں پر زور دیا گیا وہ ہیں عمل' احسان اور صلہ رحمی۔ ان تینوں چیزوں پر معاشرے کے امن و امان اور سکون کا انحصار ہے۔ صلہ رحمی کا مطلب صرف رشتہ داروں سے اچھی طرح سے پیش آنا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ خوشی اور غم میں ان کے کام آیا جائے۔ ان کے مسائل دریافت کیے جائیں اور اگر ممکن ہو تو ان مسائل کو حل کرنے میں ان کی مدد کی جائے۔ استطاعت ہو تو اپنے مال کو جمع کر کر کے ڈھیر نہ لگائے جائیں اور اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تاکید کی ہے اور ہر خاندان کے خوشحال افراد کو بطورِ خاص حکم ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بے یارومددگار نہ چھوڑیں۔ اللہ کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر حالت نہیں ہوسکتی جس میں ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اس کے خاندان میں اس کے اپنے عزیز روٹی کپڑے یا بنیادی ضروریات کے لیے تڑپ رہے ہوں۔ خاندان معاشرے کا ایک اہم حصہ ہے۔ اسی طرح ہر خاندان کے خوشحال افراد پر پہلا حق ان کے اپنے غریب رشتہ داروں کا ہے پھر دوسروں کے حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں۔ قرآن اور مختلف احادیث سے بھی یہی علم ہوتا ہے کہ انسان کے اولین حقدار اس کے والدین' اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں۔ اس کے بعد وہ جو ان کے قریب تر ہوں۔ اسی اصول کی بنیاد پر حضرت عمرؓ نے ایک یتیم بچے کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی دور دراز کا رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔ اندازہ کیجئے کہ جس معاشرے کا ہر بندہ اس طرح سے اپنے اپنے افراد کو

سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سی کتنی خوشحالی اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی اور بلندی پیدا ہو جائے گی۔

سوچا جائے تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیار اپنی مخلوق سے ہے اور مخلوق میں اشرف المخلوقات انسان ہے۔ یقیناً جو شخص رشتہ داروں سے اچھے تعلقات رکھتا ہے ان سے حسن سلوک کرتا ہے اسے یقیناً اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اسی طرح جو شخص رشتہ داروں کے حقوق نہ ادا کرے وہ خدا کی رحمت سے دور ہو جائے گا۔

ایک اور بات جو ہم شاید بھول جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے صرف آخرت میں ہی نہیں بلکہ یہیں اسی دنیا میں اجر ملتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

"جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو اسے چاہیئے کہ رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کرے۔" (بخاری، مسلم)

اس حدیث میں بہت گہرائی ہے مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہم جس چیز کو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صرف کریں اس میں برکت ہوتی ہے اور وہ بڑھتی جاتی ہے۔ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے سے ایک تو انسان اپنا مال ان کے لیے خرچ کرتا ہے اور دوسرے اپنی زندگی کا کچھ وقت ان کی خدمت میں صرف کرتا ہے۔ لہٰذا مال اور عمر دونوں میں برکت ہوتی ہے اور اگر دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو جب اہل خاندان اور رشتہ داروں میں ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں وہاں دلوں میں خوشی اور اطمینان زیادہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی مالی مدد کر کے ایک دوسرے کو بڑے مسائل سے بچا لیتے ہیں۔ مگر جہاں رشتہ دار ایک دوسرے سے بدسلوکی کرتے ہیں اور تنگی میں ایک دوسرے کے کام نہیں آتے وہاں ظالم اور مظلوم دونوں ہی جلن، کڑھن اور اضطراب کا شکار رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ مختلف بیماریاں ہیں جو کہ انسان کو آہستہ آہستہ ختم کر دیتی ہیں۔

رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا بڑی ہمت اور حوصلے کی بات ہے۔ اس کے لیے انسان میں صبر و تحمل اور عفو و درگزر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ارادتاً کسی نے بھی دوسرے رشتہ دار سے بدسلوکی نہیں کی ہوتی لیکن صرف غلط فہمیوں کی بنیاد پر آہستہ آہستہ بات بڑھتی جاتی ہے۔ اب اگر انسان یہ تحقیق شروع کر دے کہ بات شروع کہاں سے ہوئی تھی یا کس نے بدسلوکی میں پہل کی تو اس کی حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ بسا اوقات ناممکن ہی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان اعلیٰ ظرفی اور حوصلے کا ثبوت دے تو فوراً ناراضگی اور آپس کی رنجشوں کو دور کیا جا سکتا ہے یہ سوچ کر کہ چلو جو ہوا سو ہوا ہو سکتا ہے ہم سے بھی کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں قصور چاہے دوسرے کا ہی کیوں نہ ہو لیکن بہتر یہی ہے کہ ایک دوسرے سے صلح صفائی کر لی جائے۔ اس طریقے سے ایسی نوبت نہیں آتی کہ کئی مہینے سال اور گزر جائیں اور رشتہ دار ایک دوسرے سے بات کرنا تو درکنار شکل دیکھنے تک کے روادار نہ ہوں۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

'' جو لوگ خدا کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز یعنی (رشتہ قرابت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اس کو توڑ ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ '' (2: 27)

ایک اور جگہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

'' اے محمد ﷺ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کس طرح کا مال خرچ کریں کہہ دو کہ جو مال خرچ کرنا چاہو وہ ماں باپ کو اور قریب کے رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور جو بھلائی تم کرو گے خدا اس کو جانتا ہے۔ '' (2: 215)

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

'' سرکشی اور قطع رحمی سب گناہوں سے زیادہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی سزا دے علاوہ اس سزا کو جو اس نے اس کے لیے آخرت میں رکھی ہے۔ ''

(ابوداؤد)

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

'' رشتہ داروں سے تعلق توڑنے اور ان سے بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ''

(ترمذی)

ان سب باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ

☆ رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھے جائیں، توڑے نہ جائیں۔

☆ ان کے دکھ سکھ میں شرکت کی جائے۔

☆ ان سے حسن سلوک کیا جائے۔

☆ انہیں مالی اور روحانی دونوں طرح کی مدد دی جائے۔ اگر وہ صلہ رحمی نہ بھی کریں تو بھی ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ اسی طریقے سے ہم ایک اچھا معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جس میں امن، سکون، محبت و یگانگت اور ایثار کی فضا ہو۔

قرآن پاک میں بڑی واضح آیات اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ہمارے اوپر رشتہ داروں کے کیا کیا حقوق لاگو ہوتے ہیں اور ان پر عمل کر کے ہی ہم اچھے طریقے سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جس میں امن، سکون، محبت و یگانگت اور ایثار کی فضا ہو۔

☆ _____ ☆

پڑوسیوں کے حقوق

پڑوسیوں سے اچھے تعلقات کے لیے اللہ اور رسول ﷺ نے بار بار تاکید کی ہے آج کل کے حالات کو دیکھتے ہوئے انتہائی دکھ کا احساس ہوتا ہے کہ ہمیں ہمسائے کے دکھ سکھ سے کوئی خاص غرض نہیں رہ گئی۔ شادی بیاہ کا موقع ہو یا کسی غمی کا ہمسائے کی تکلیف کا احساس کئے بغیر ہی پوری سڑک بند کر دی جاتی ہے۔ یہ سوچنے کی زحمت کوئی نہیں کرتا کہ ہم اس سے اردگرد کے لوگوں کو آنے جانے میں کس قدر دقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ اٹھا کر باہر گلی میں پھینک دیا جاتا ہے یا دوسرے پڑوسی کے گھر کے آگے پھینک دیتے ہیں یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس سے ہمسائے کو کس قدر کوفت اور تکلیف ہوگی۔ کہیں کہیں تو راستہ اس طرح بند کر دیا جاتا ہے کہ ٹریفک بھی بلاک ہو جاتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ یہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ جن ہمسائیوں کے حقوق کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے تاکید کی ہے ہم نے ان کی پرواہ کرنا بالکل چھوڑ دی ہے۔

پڑوسی چاہے ہمارے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں لیکن ہم سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ کسی قسم کا مسئلہ پڑنے کی صورت میں مدد حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں پڑوسی کا ہی خیال آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ پڑوسیوں سے جھگڑے بھی چلتے رہتے ہیں۔ بعض مرتبہ چھوٹی سی بات اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ایک دوسرے سے بات چیت تک بند ہو جاتی ہے۔ اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے اور ایک دوسرے سے اچھے تعلقات پر بار بار تاکید کی گئی ہے۔ ہمسائے کے جذبات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

'' قریب کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ '' (4: 9)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

'' وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے شر سے اس کے ہمسائے کو امن نہ ہو۔''

(متفق علیہ)

یہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ آج کل ہم اپنی ذاتی زندگی میں اس طرح سے الجھ گئے ہیں کہ بعض علاقوں میں تو لوگوں کو یہ خبر تک نہیں ہوتی کہ قریب کہ گھروں میں کون لوگ رہتے ہیں اور بعض جگہوں پر یہ حال ہے کہ ہمسائے کے امن اور چین سے قطعاً کوئی غرض نہیں ہوتی رات گئے تک گھر میں شور شرابا مچا رہتا ہے۔ تیز آواز میں موسیقی کا شور ہوتا ہے۔ ہم اس بات سے قطعاً بے پرواہ ہیں کہ کہیں ہمارے ہمسائے کو تکلیف تو نہیں

ہو رہی، کہیں آپ کے آس پاس کسی طالب علم کو شور غل سے پڑھنا مشکل تو نہیں ہو رہا، کہیں آس پاس کوئی بیمار تو نہیں، کہاں تو یہ حال تھا کہ صحابہ اکرامؓ فرماتے ہیں کہ:

"ہمسائیوں سے حسن سلوک کے بارے میں حضور اکرم ﷺ اس قدر تاکید فرماتے تھے اور اس قدر زیادہ حقوق بتاتے تھے کہ بعض مرتبہ ہمیں یہ احساس ہوتا تھا کہ کہیں ان کو وراثت میں بھی حصہ دار ٹھہرا دیا جائے۔" (مسلم، بخاری، ابوداؤد)

اور ایک آج کل کا ماحول ہے کہ ایک دیوار کے اس پار اور اس پار رہنے والوں کو ایک دوسرے کی کچھ پرواہ نہیں اچھا سلوک تو ایک طرف رہا انہیں تو ایک دوسرے کی خبر تک نہیں۔ شادی بیاہ کو ہی لے لیجئے پوری سڑک بند کر دی جاتی ہے بغیر یہ سوچے سمجھے کہ باقی ہمسایوں کو کس قدر تکلیف ہوگی۔ رسول اکرم ﷺ نے پڑوسیوں سے حسن سلوک کا بہترین عملی ثبوت دیا ہے۔ آپ ﷺ اردگرد کے پڑوسیوں کا سودا سلف تک خرید کر لا دیتے تھے۔ ان کے ہر طرح کے دکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔ ہمسائے کو تحفہ بھجوانے پر رسول اللہ ﷺ بہت تاکید فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی اور دلوں کی کدورت جاتی رہے گی۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ:

"جب تم کوئی سالن پکاؤ تو شوربا زیادہ کر دیا کرو اور اپنے ہمسائے کا خیال رکھو۔"

(مشکوٰۃ، غزالی، طبرانی)

پڑوسیوں سے اچھا سلوک رکھنے سے ہماری سیرت و کردار کی تعمیر بھی ہو سکتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

"جب تم اپنے کسی کام کی نسبت ہمسایوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا تو وہ اچھا کام ہے یعنی نیکی ہے اور جب تم پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے برا کام کیا تو تمہارا وہ کام برا ہے۔"

(ابن ماجہ)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بھی کام کرنے سے ہمسائے کی رائے کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ اگر ہم احتیاط کریں تو ہمارے حسن سلوک کے نہ صرف ہمسائے معترف ہو جائیں گے بلکہ ہماری سیرت میں بھی ایک پسندیدہ تبدیلی آ جائے گی جو کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قریب کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

" مسلمان عورتو! پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کسی تحفے کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو۔ " (مسلم، بخاری)

ہم اس کے بالکل برعکس عمل کرتے ہیں۔ ہمسائے پر بے جا تنقید کرنا اور ان کے رہن سہن پر نکتہ چینی کرنا۔ ہمیں معمولی باتیں لگتی ہیں حالانکہ یہ سخت ناگوار عادتیں ہیں۔ ہمسائے کے ساتھ محبت اور تعلق بڑھانے کا بہترین ذریعہ تحفے تحائف ہیں خواہ وہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں۔ عام باتوں میں بھی ہمسایوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ وہ خواہ کتنا ہی غریب ہو یا اس کی معاشرتی حیثیت خواہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو لیکن اس کے ساتھ عزت اور محبت کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر پڑوسی کو پھل وغیرہ نہ بھجوائے جا سکیں تو اس کے چھلکے باہر نہ پھینکیں کہ ہمسائے کی دل شکنی نہ ہو۔

پڑوسیوں سے ناراضگی بعض مرتبہ بچوں کی وجہ سے ہو جاتی ہے یا پھر رشک وحسد کی وجہ سے' ایسے معاملات میں بہت سمجھداری سے کام لینا چاہیئے۔ بچوں کی بات بچوں تک ہی رہنی چاہیئے اور معاملہ بچوں کے درمیان سلجھا دینا چاہیئے۔ بڑوں کو بچوں کی وجہ سے آپس کے تعلقات خراب نہیں کرنے چاہیں۔ بچے تو پھر بچے ہیں کچھ عرصہ بعد دل صاف ہو جائیں گے اور وہ بات بھول کر پھر آپس میں مل جل کر رہیں گے۔ لیکن بڑے آپس میں اگر جھگڑ پڑیں تو اس کدورت کو عرصہ دراز تک دل میں رکھتے ہیں جو کہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمسائیوں کے بچوں پر بھی آپ شفقت کریں اور ان کی غلطی کو نظر انداز کریں۔ صرف اسی صورت میں اچھے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں۔ پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات کی بنیاد خلوص ہونا چاہیئے نہ کہ مال وحیثیت۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ:

" گمان مت کیا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ " (بخاری)

ہمارا یہ حال ہے کہ ہر وقت ہمسائے کی نقل وحرکت پر نظر ہوتی ہے۔ کون آ رہا ہے؟ کون جا رہا ہے؟ کسی کے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ بعض مرتبہ ہمسائے سے حسد ہونے لگتا ہے کہ ان کے پاس جو چیزیں ہیں وہ ہمارے پاس نہیں۔ یہ سب باتیں نہایت ناپسندیدہ ہیں ان سے بچنا چاہیئے بعض مرتبہ حقیقت وہ نہیں ہوتی جو نظر آ رہی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ کے تجسس اور گمان سے منع فرمایا ہے۔

ہم اپنے حقوق کو تو بہت اہم سمجھتے ہیں اور ہمسائے کے حقوق کو قابلِ توجہ نہیں جانتے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسلام میں ہمسائے کی اجازت کے بغیر اس کی دیوار میں کیل ٹھونکنے کی بھی اجازت نہیں اور ہم بے شمار زیادتیاں اپنے ہمسایوں پر کر جاتے ہیں۔

ہمارے پیغمبر ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ مسلم تو مسلم آپ ﷺ کافروں اور یہودیوں تک کے لیے رحمت عالم

تھے۔آپ ﷺ نے صرف مسلم ہی نہیں کافر ہمسائے تک سے حسن سلوک اور رواداری کا حکم دیا ہے۔ہمیں بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم کس روش پر چل پڑے ہیں۔اور ہمیں درحقیقت کیا کرنا چاہیئے۔ہمیں اپنا محاسبہ کر کے بہتر انسان ہونے کا ثبوت دینا چاہیئے۔تا کہ ہم ایک بہترین مسلم معاشرے کو تشکیل دے سکیں۔ہمیں حتیٰ الامکان کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم ہمسایوں کے حقوق کا پورا خیال رکھیں۔اپنے کسی عمل یا رویے سے ہمسائے کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

☆ _____ ☆

میاں بیوی کے حقوق

کہتے ہیں کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہوتے ہیں دونوں میں سے ایک بھی صحیح کام نہ کر رہا ہو تو گاڑی نہیں چل سکتی۔ اگر اس طرح سے دیکھا جائے پھر تو اس گاڑی کے چلنے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا جس کے پہیوں میں کوئی مطابقت اور مفاہمت نہ ہو۔ جبکہ خاندان کی گاڑی نہ چلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ زندگی ہی منجمد ہو کر رہ جائے گی اور ہوتا بھی ایسے ہی ہے۔ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں 85% گھروں میں کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور دیکھیں گے۔ یہی چیز ہمارے گھروں کے ٹوٹنے کا موجب بن رہی ہے۔ یہ مسئلہ صرف مشرق میں ہی نہیں بلکہ مغرب میں بھی اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں بچوں کے والدین میں سے ایک کے زیرِ سایہ پلنا اور ان کی تہذیب کا حصہ بن چکا ہے۔ اپنی غلطیوں سے سبق سیکھ کر اب وہ دوبارہ خاندانی نظام کی طرف آ رہے ہیں۔ مشرق میں ذرا صورتِ حال مختلف ہے۔ یہاں ابھی بھی خاندانی یکجہتی کے آثار موجود ہیں۔ اگرچہ مغرب کی اندھا دھند تقلید کی وجہ سے صورتِ حال بہت اچھی نہیں ہے پھر بھی اگر ہم ابھی سے احتیاط برتیں تو بہت سے نقصانات سے بچ سکتے ہیں۔ ایک کہاوت ہے کہ روزانہ صبح شیطان اپنے چیلوں کی فوج طلب کرتا ہے اور پھر احکامات جاری کرتا ہے۔ کسی کو قتل، لڑائی جھگڑے کے لیے روانہ کرتا ہے تو کسی کو چوری چکاری کرنے پر لوگوں کو بھٹکانے کے لیے لگاتا ہے۔ چوبیس گھنٹے کے بعد یہ چیلوں کا لشکر شیطان کو رپورٹ دیتا ہے کہ کس نے کیا خرابی کی ہے۔ شیطان کے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ جاننے میں ہوتی ہے کہ کس چیلے نے کس گھر میں لڑائی کروائی۔ سب سے زیادہ شاباش اس چیلے کو ملتی ہے جو گھروں میں میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑا کروا کر آئے۔ کیونکہ برائی کا آغاز ہی وہاں سے ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

> ''اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں اَن بَن ہے تو ایک منصب مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصب عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو خدا ان میں موافقت پیدا کر دے گا کچھ شک نہیں کہ خدا سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے باخبر ہے۔'' (4: 35)

یعنی خدا کے فرمان کے مطابق میاں بیوی کے جھگڑے سے جو گھر کی، بچوں کی اور ہر چیز کی تباہی پھیلتی ہے اسے فوری طور پر روک دینا چاہیئے۔ چاہے اس کے لیے بڑوں کو شامل کرنا پڑے۔ آخر اس صورت حال کا کون ذمہ دار ہے یا وہ کون سے ایسے محرکات ہیں جو گھر کے اندر کی زندگی کو اتنا مشکل بنا دیتے ہیں کہ زندگی عذاب بن کر رہ جاتی

ہے۔دراصل ہم ان رشتوں کی بنیاد غلط اصولوں پر رکھتے ہیں اور پھر انہی یا ان غلطیوں کا نقصان تمام عمر بھگتتے ہیں۔ بچوں کی تربیت کے سلسلے میں سب سے اہم نقطہ فکر بچوں کی عمر اور تعلیم کا حصول ہوتا ہے۔خاص طور پر لڑکیوں کے معاملے میں عمر ایک اہم مسئلہ بن جاتی ہے اور لڑکوں کے معاملے میں نوکری۔یعنی کوشش یہ کی جاتی ہے کہ لڑکی جیسے ہی گھر سنبھالنے کے قابل ہو جائے اس کی شادی کر دی جائے اور لڑکے کے معاملے میں جیسے ہی وہ چار پیسے کمانے کے قابل ہو اس کی شادی کر دی جائے۔کیا آپ کی نظر میں ایک بھی خاندان ایسا ہے جو شادی سے پہلے بچوں کو اس بات کی تربیت دیتا ہو کہ ان کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ شادی کے بعد زندگی ایک دم بدل سی جاتی ہے کیا ہم اپنے بچوں کو اس نئی زندگی کے لیے تیار کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ مسئلہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔گنتی کے چند گھر ہیں جو میاں بیوی کے جھگڑوں سے پاک ہیں۔زیادہ تر گھر خوشی کی بجائے سمجھوتے کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔آیئے دیکھتے ہیں کہ اس مسئلے کے حل کے لیے قرآن پاک ہماری کس طرح سے رہنمائی کرتا ہے:

> ''مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔'' (4: 34)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

> ''اور کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرنا۔جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ اور خدا سے اس کا فضل مانگتے رہو یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔'' (4: 32)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد اس اصول پر رکھ دی ہے کہ ہر ایک سے اسکے درجے کے مطابق ہی حساب لیا جائے گا۔آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ درجہ بندی کیا ہے کہ اس کا کیا مقصد ہے اور اس سے گھر کا نظام چلانے میں کیا آسانیاں ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا بلکہ ان کے درمیان بے شمار حیثیتوں سے فرق رکھا ہے۔کوئی خوبصورت ہے تو کوئی خوش آواز' کوئی طاقتور ہے تو کوئی کمزور' کوئی صحت مند ہے تو کوئی پیدائشی طور

پر جسمانی نقص لے کر آیا ہے، کسی کو جسمانی قوت زیادہ دی ہے اور کسی کو کوئی دوسری قوت، کسی کو بہتر حالات میں پیدا کیا ہے اور کسی کو بدتر حالات میں، کسی کو زیادہ ذرائع دیئے ہیں اور کسی کو کم۔ اسی امتیاز پر انسانی تمدن کی ساری گونا گوئی قائم ہے اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ جہاں اس درجہ بندی اور فرق کو انسان فطری حدود سے بڑھا کر اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے وہاں ایک نوعیت کا فساد برپا ہوتا ہے اور جہاں اس درجے کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں ایک دوسری طرح کا فساد برپا ہوتا ہے۔ انسانی فطرت اس طرح کی ہے کہ انسان کسی کو اپنے سے بڑھتا ہوئے دیکھے تو بے چین ہو جاتا ہے۔ یہی چیز رشک، حسد، عداوت، مزاحمت اور کشمکش کی جڑ ہے۔ اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے درجہ بندی کی جاتی ہے۔ مثلاً معاملہ ایک دوکان چلانے کا ہو یا پھر ایک ملک کی باگ دوڑ کا۔ جب تک ہر کام مخصوص نہ کیا جائے کوئی نظام نہیں چلایا جا سکتا۔ ہر نظام کے پیچھے یہ اصول کار بند ہے کہ کچھ لوگ کام کروانے والے ہوتے ہیں اور کچھ کرنے والے۔ عام طور پر لوگوں میں تاثر پایا جاتا ہے کہ کام کرانے والا کام کرنے والے سے افضل سمجھا جائے۔ اس نقطہ نظر سے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حاکم کہلانے کی حقدار اور درجہ بندی سے بالاتر ہے۔ ہم سب اس کے محتاج اور اس کے سامنے بے بس ہیں۔ ہر انسان اس دنیا میں کوئی مقصد لے کر آیا ہے جو اس نے پورا کرنا ہے اور ہم سب اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے خدا کی مدد کے طلب گار ہیں اور اسکے آگے جواب دہ بھی ہیں۔

اس نقطہ نظر کی وضاحت کے بعد درجہ بندی کا واحد مقصد یہ رہ جاتا ہے کہ کس طرح زندگی کے نظام کو بہتر طریقے سے چلایا جائے جبکہ انسان ہونے کے ناطے ہم سب برابر ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی دونوں آیات (4: 32-34) کس طرح اس مسئلے میں ہماری مدد کرتی ہیں تا کہ ہم یہ جان سکیں کہ میاں بیوی کے درمیان درجہ بندی کس نوعیت کی ہے اور یہ کن نتائج کی مرہون منت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالات میں چلانے اور اس کی حفاظت اور نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ یہاں یہ درجہ بندی یا فضیلت بہ معنی مشرف اور عزت نہیں ہے جیسا کہ ایک عام اردو خواں آدمی اس لفظ کا مطلب لے گا۔ بلکہ یہاں لفظ اس معنی میں ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک صنف یعنی عورت کو اللہ تعالیٰ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات کی بنا پر ہی خاندانی زندگی میں مرد کو قوام ہونے کی اہلیت دی ہے۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ درجہ بندی جو مرد اور عورت کے درمیان کی گئی ہے وہ انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ نفسیاتی نقطہء نظر سے عورتوں میں صبر و تحمل، برداشت، سمجھوتہ کرنے کی صلاحیت، میل ملاپ اور رکھ رکھاؤ، محبت کا اظہار اور خاندانی اقتدار، نفاست و سجاوٹ اور حسن و جمال خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر ان کو صنف

نازک کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس مردوں کی نفسیات میں محنت ومشقت، بہادری، شجاعت، حوصلہ مندی، جراء ت، دوراندیشی اور مستقل مزاجی جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہ درجہ بندی یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے مطابق دو مختلف انسان زندگی کا لمبا سفر پیار ومحبت اور کامیابی وسکون کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ اس تعلق میں جو بے سکونی اور نفرتیں دیکھنے میں آتی ہیں ان کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم قانون قدرت سے انحراف کر کے غلط اصولوں پر زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں اور نتیجتاً زندگی عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔

سب سے اہم وجہ جو اکثر مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے وہ بچوں کی صحیح تربیت کا فقدان ہے۔ والدین کے ساتھ بچے زندگی کا بہت چھوٹا حصہ گزارتے ہیں جبکہ ان کی (practical life) عملی زندگی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ ماں باپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بچوں کو تعلیم وتربیت کے ذریعے مکمل طور پر عملی زندگی گزارنے کے لیے تیار کریں۔ عورتوں کو گھر چلانا، بچے پیدا کرنا اور ان بچوں کو صحیح تربیت دینا جہاد کے موافق ہے۔ جبکہ آدمی کے لیے گھر سے باہر نکل کر اور سختیاں برداشت کر کے حلال روزی کمانا اور اپنے خاندان کی حفاظت اور پرورش کرنا جہاد ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جہاد صحیح تربیت اور منصوبہ بندی کے بغیر ناممکن ہے تو پھر ہم اپنے بچوں کو کس طرح بے یارومددگار اس محاذ پر روانہ کر دیتے ہیں؟ شائد یہی وہ ہے کہ اکثر جب کسی شادی شدہ شخص سے پوچھا جائے کہ زندگی شادی کے بعد کیسی گزر رہی ہے تو زیادہ تر جواب یہی ملتا ہے کہ کوئی عذاب ہے یا قید جو کاٹے نہیں کٹتی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

> ''بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو تمہارا جی خوش ہو جائے جب تم اسے کسی بات کا حکم دو تو تمہاری اطاعت کرے اور جب تم گھر میں نہ ہو تو وہ تمہارے پیچھے تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔'' (نسائی)

مگر یہاں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت سے بڑھ کر اپنے خالق کی اطاعت فرض ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شوہر خدا کی معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت سے انکار کرنا عورت کا فرض ہے۔ اس صورت میں اگر عورت اطاعت کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ اس زمرے میں روزمرہ کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات آ جاتی ہے۔ اب ضروری صرف یہ ہے کہ عورت کو اپنے حقوق وفرائض کا صحیح علم، اچھے، برے کی پہچان ہو اور اس کی شخصیت میں اتنا اعتماد ہو کہ وہ حالات کا شکار ہوئے بغیر صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہہ سکے۔ ہمارے ہاں لڑکیوں کو ان مراحل سے گزرنے کے لیے تیار کئے بغیر زندہ درگور کر دیا جاتا ہے اور جب وہ حالات کا مقابلہ نہیں کر پاتیں تو اس کو ان کی قسمت کی خرابی قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

'' اور اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہو سکے) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو خدا ہر ایک کو اپنی دولت سے غنی کر دے گا اور خدا بڑی کشائش والا (اور) حکمت والا ہے۔ '' (4: 128)

اس آیت سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ قسمت کو برا بھلا کہہ کر ساری عمر تکلیف میں رہنے سے بہتر ہے کہ خدا کا حکم مانا جائے اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے اور یہ پوری طرح سے خدا کے احکامات پر عمل کرنے سے ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ طلاق کی اجازت دی ہے لیکن اسے بہت ناپسند بھی فرمایا ہے۔ یہ سہولت ہمیں اس لیے دی گئی ہے کہ بعض اوقات حالات واقعی ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں اور کوئی صورت ممکن نہیں رہتی لیکن سخت ناپسندیدہ اس لیے قرار دیا کہ ایک گھر اور خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی کی طرح ہے اگر بنیاد ہی مضبوط نہ ہو تو معاشرے میں خوشحالی اور سکون کہاں سے آئے گا۔

کامیاب زندگی کی ابتدا ہی ایک پرسکون گھر سے ہوتی ہے اور گھر کا سکون میاں بیوی کی مطابقت و مفاہمت سے ہی ممکن ہے۔ ایک آئیڈیل گھر وہ ہوتا ہے جس میں میاں بیوی مل جل کر خدا کے دیئے ہوئے احکامات کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ وہ اپنے اپنے رول کو صحیح طریقے سے سمجھیں اور ایک دوسرے کے کاموں میں بلاضرورت دخل اندازی کیے بغیر اپنا کام صحیح طریقے سے کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح گھر کا نظام صحیح طریقے سے چل سکے گا۔

☆ _____ ☆